بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والذین امنوا اشد حبا للہ (القرآن)

(اہل ایمان کو اللہ سے بڑی محبت ہوتی ہے)

آفتابِ ولایتؒ

سیدنا حافظ حاجی **وارث علی شاہ** قدس سرہ العزیز

کی نورانی سوانح حیات

عنوان ہذا پر سب سے زیادہ مؤثر، مختصر، سلیس اور جامع کتاب

مؤلف

پروفیسر فیاض کاوشؔ وارثی

منجانب:

درگاہ حضرت ابوالحسن شاہ وارثی مسولیم ٹرسٹ اٹاوہ (یوپی)

نام کتاب : آفتاب ولایت
مؤلف : پروفیسر فیاض احمد خاں کاوش وارثی
ٹائٹل : ایچ۔اے۔پرنٹرس، ہوڑہ بنگال
صفحات : ۲۴۰
تعداد بار سوئم : ۱۱۰۰
سنہ طباعت : ۲۰۰۸ء
ہدیہ : ۱۰۰روپئے
اشاعت باہتمام : درگاہ حضرت ابوالحسن شاہ وارثی مسولیم ٹرسٹ اٹاوہ (یوپی)

بنسبت حضرت نایاب شاہ وارثی رحمۃ اللہ علیہ دیوہ شریف

ملنے کے پتے

(۱) احمد علی وارثی ۹ر ڈی۔بلاک سی۔آئیڈیل ٹاور کولکاتا۔۲۳
(۲) مغربی بنگال درگاہ وارثی ایسوسی ایشن۔۶۳ر دلکشا اسٹریٹ کولکاتا
(۳) جناب وارث محمود وارثی (گڈو میاں) دیوہ شریف (یوپی)
(۴) نایاب منزل .... دیوہ شریف (یوپی)
(۵) درگاہ حضرت ابوالحسن شاہ وارثی .... اٹاوہ (یوپی)
(۶) بشن وارثی .... وارثی بلڈنگ مرادآباد (یوپی)
(۷) مولانا قاری محمد اسلم مینائی .... کربلا جامع مسجد، ہوڑہ

فہرست

عنوانات | حصہ اول | صفحہ نمبر

۱۔ انتساب ۱۱
۲۔ حرفِ آغاز ۱۲
۳۔ تعارف ۱۷
۴۔ کچھ مصنف کے بارے میں ۲۰
۵۔ سوانحی خاکہ مؤلف کتاب ھذا ۲۶
۶۔ افتتاحیہ ۲۹
۷۔ منقبت از مہاراجہ سر کشن پرشاد شاؔد ۳۳
۸۔ نامِ نامی اسمِ گرامی ۳۵
۹۔ نسب نامہ ۳۸
۱۰۔ خاندانی حالات ۴۱
۱۱۔ دلیلِ آفتاب (ولادت کی پیشین گوئیاں) ۴۳
۱۲۔ آفتاب آمد (ولادت کے حالات) ۴۶
۱۳۔ سنتِ یتیمی ویسیری ۴۷
۱۴۔ عہدِ طفولیت ۴۷
۱۵۔ تعلیم وتربیت ۴۸
۱۶۔ کفالت ۴۹
۱۷۔ بیعتِ طریقت ۵۰
۱۸۔ دستارِ خلافت ۵۱
۱۹۔ شجرہ شریف ۵۳
۲۰۔ سیر و سیاحت ۵۴

۲۱۔ اٹاوے میں تشریف آوری ۵۴
۲۲۔ حضرت بیدم شاہ وارثی ۵۵
۲۳۔ شکوہ آباد میں قیام ۵۶
۲۴۔ من تو شدم تو من شدی ۵۸
۲۵۔ فیروز آباد میں تشریف آوری ۶۰
۲۶۔ آگرہ میں ورودِ مسعود ۶۰
۲۷۔ جے پور میں آمد ۶۳
۲۸۔ آستانۂ خواجہ پر حاضری ۶۳
۲۹۔ بمبئی میں ضوفشانیاں ۶۵
۳۰۔ سفرِ حجاز ۶۶
۳۱۔ جدہ میں طلوع آفتاب ولایت ۶۸
۳۲۔ ہے مکہ سے افضل مدینہ تمہارا ۷۱
۳۳۔ بغداد شریف میں عزت افزائی ۷۳
۳۴۔ اپنی کمائی ۷۵
۳۵۔ وطنِ عزیز کو واپسی ۷۵
۳۶۔ ترکی کا سفر ۷۶
۳۷۔ یورپ میں تبلیغ روحانیت ۷۹
۳۸۔ وطن واپسی ۸۲
۳۹۔ آدابِ احرام پوشی ۸۳
۴۰۔ ذرہ ذرہ ہے مظہرِ خورشید (مخصوص احرام پوشوں کے حالات) ۸۳
۴۱۔ سلسلہ وارثیہ میں اتحاد و محبت ۸۷
۴۲۔ وارثی تعلیمات ۸۸
۴۳۔ شانِ فقر ۹۱
۴۴۔ چشمِ وارث ۹۲

۴۵۔ نگاہِ ناز کی کرشمہ سازیاں ۹۳
۴۶۔ چشمِ وارث کی مسیحائی ۹۴
۴۷۔ نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں ۹۶
۴۸۔ نورانی شخصیت ۱۰۰
۴۹۔ وارثی رنگ ۱۰۱
۵۰۔ آفتابِ ولایت کے حضور علماء ومشائخ کا خراجِ تحسین ۱۰۲
۵۱۔ موحدِ اعظم ۱۰۳
۵۲۔ وارث مجھ میں میں وارث میں ۱۰۴
۵۳۔ علمائے فرنگی محل کی خوش اعتقادی ۱۰۴
۵۴۔ وارث پاک کے حضور علامہ اقبال کی بے زبانی ۱۰۶
۵۵۔ دربارِ وارث میں سرسید کی گریہ وزاری ۱۰۶
۵۶۔ اکبر کا منظوم خراجِ عقیدت ۱۰۷
۵۷۔ حضرت خواجہ حسن نظامی کا نذرانۂ عقیدت ۱۰۸
۵۸۔ اخبار ''وکیل'' دہلی کا خراجِ تحسین، حضرت ریاض خیرآبادی کا ترانہ عقیدت ۱۰۹
۵۹۔ ملک غلام محمد گورنر جنرل پاکستان کی درگاہ وارث پر حاضری ۱۱۰
۶۰۔ ذرے آفتابِ ولایت کی بارگاہ میں (ملک غلام محمد گورنر جنرل پاکستان) ۱۱۰
۶۱۔ خان بہادر سر شیخ عبدالقادر بیرسٹرایٹ لاء کا بیان ۱۱۱
۶۲۔ آنریبل جسٹس سید شرف الدین کی گرفتاری ۱۱۲
۶۳۔ آفتاب ولایت کا فیض عالمِ خواب میں ۱۱۳
۶۴۔ آتش پرست کے دل میں آتشِ عشقِ الٰہی ۱۱۴
۶۵۔ پریم جوگ ۱۱۵
۶۶۔ خدانما صورت ۱۱۷
۶۷۔ جگن ناتھ پر آفتابِ ولایت کے انوار ۱۱۷
۶۸۔ آفتابِ ولایت کے انوارِ روحانیت کا فیضِ عام ۱۱۸

۶۹۔ خلقت کا اژدہام	۱۱۸
۷۰۔ نگاہِ کیمیا گر	۱۲۰
۷۱۔ عادات وخصائل	۱۲۴
۷۲۔ رقیق القلبی وغریب نوازی	۱۲۴
۷۳۔ آفتابِ ولایت کی ذرہ نوازی	۱۲۶
۷۴۔ روحانی قوت کی پردہ داری	۱۲۹
۷۵۔ عاجزی وانکساری، خودنمائی سے نفرت	۱۳۰
۷۶۔ لطافتِ جسمی	۱۳۱
۷۷۔ نام ونمود سے پرہیز، شانِ توحید	۱۳۲
۷۸۔ شانِ تجرد	۱۳۲
۷۹۔ اندازِ گفتگو	۱۳۳
۸۰۔ شرم وحیا	۱۳۴
۸۱۔ لیٹنے بیٹھنے کے آداب	۱۳۴
۸۲۔ قصہ کہانی	۱۳۵
۸۳۔ اخلاقِ حسنیٰ (حسن سلوک)	۱۳۶
۸۴۔ تواضع کا پہلا اور آخری سبق	۱۳۷
۸۵۔ علماء کی تواضع	۱۳۷
۸۶۔ شریعت کا احترام	۱۳۸
۸۷۔ نماز کی پابندی	۱۳۹
۸۸۔ حج کا شوق	۱۴۱
۸۹۔ حاجی صاحب کا لقب	۱۴۲
۹۰۔ روزہ کی عادت	۱۴۲
۹۱۔ سنت کی پیروی	۱۴۳
۹۲۔ کھانے پینے کے آداب	۱۴۴

۹۳۔ خاص غذا	۱۴۵
۹۴۔ اللہ کا نام	۱۴۵
۹۵۔ زاہد کی تعریف	۱۴۵
۹۶۔ تعویذ گنڈے کی ممانعت	۱۴۶
۹۷۔ درود شریف کی ہدایت	۱۴۶
۹۸۔ قرآن پاک سے محبت	۱۴۷
۹۹۔ محرم الحرام کا احترام	۱۴۸
۱۰۰۔ گیارہویں شریف کا اہتمام	۱۴۸
۱۰۱۔ میلاد شریف میں قیام	۱۴۸
۱۰۲۔ طریقت کا ادب	۱۴۹
۱۰۳۔ وضعداری	۱۵۰
۱۰۴۔ وضعداری کا پھل	۱۵۰
۱۰۵۔ فقر و رضا	۱۵۱
۱۰۶۔ نورانی سراپا شریف	۱۵۴
۱۰۷۔ پائے مبارک............نازک پھول، شفاف آئینہ	۱۵۵
۱۰۸۔ خوشبوئے سیادت	۱۵۶
۱۰۹۔ مگس کو باغ میں جانے نہ دینا	۱۵۶
۱۱۰۔ سرکار وارث پاک کی شانِ عیسوی	۱۵۹
۱۱۱۔ وصالِ حق	۱۶۲
۱۱۲۔ پس چرا شد آفتاب اندر حجاب	۱۶۹
۱۱۳۔ سلام عاشقانہ	۱۷۲
۱۱۴۔ ہدیہ سلام	۱۷۳
۱۱۵۔ گاگر شریف	۱۷۵
۱۱۶۔ خبر وصال پاک	۱۷۵

۱۱۷۔ ملہار بروگ ۱۷۶
۱۱۸۔ اختتامیہ ۱۷۶

حصہ دوم

۱۱۹۔ سلام ۱۸۱
۱۲۰۔ سلسلہ وارثیہ کی ترویج وترقی ۱۸۲
۱۲۱۔ احرام پوش فقیر کا احترام ۱۸۳
۱۲۲۔ ولادت ثانیہ ۱۸۵
۱۲۳۔ نام کی تبدیلی ۱۸۵
۱۲۴۔ یاوارث (منظوم) ۱۸۶
۱۲۵۔ سلسلہ وارثیہ میں تجرد کی اہمیت ۱۸۷
۱۲۶۔ سلام ۱۹۰
۱۲۷۔ سلسلہ وارثیہ میں توکل کی اہمیت ۱۹۱
۱۲۸۔ احرام کا کفن ۱۹۴
۱۲۹۔ احرام کی پیلی رنگت ۱۹۵
۱۳۰۔ چادر شریف (منظوم) ۱۹۷
۱۳۱۔ سلسلہ وارثیہ میں نقش وتعویذ اور عملیات کی ممانعت ۱۹۸
۱۳۲۔ مدعاء شاہِ وارث ۲۰۱
۱۳۳۔ عاشق کی آخری منزل ۲۰۲
۱۳۴۔ شریعت اور محبت ۲۰۲
۱۳۵۔ گگریا سادھو ہمری ۲۰۴
۱۳۶۔ تارکِ نماز وارثی نہیں ہوسکتا ۲۰۵
۱۳۷۔ وارثی فقیر کی پہچان ۲۰۷
۱۳۸۔ روحانی باپ (وارث پاک) ۲۱۰
۱۳۹۔ ھوالوارث (منظوم) ۲۱۲

۱۴۰۔ تصورِ شیخ	۲۱۳
۱۴۱۔ دل میں سمائے وارث	۲۱۵
۱۴۲۔ محبت میں رقابت	۲۱۶
۱۴۳۔ وارث پیا ڈوری چھوٹی جائے	۲۱۸
۱۴۴۔ وارث پاک کا سلسلہ طریقت	۲۲۰
۱۴۵۔ شجرے کی حقیقت	۲۲۱
۱۴۶۔ دستِ بیعت	۲۲۲
۱۴۷۔ بیعتِ اویسی	۲۲۲
۱۴۸۔ بیعتِ رضوان	۲۲۳
۱۴۹۔ خواب کی بیعت	۲۲۳
۱۵۰۔ جسے دیکھو ہے پروانہ مرے مخدوم وارث کا (منظوم)	۲۲۴
۱۵۱۔ گاگر شریف (منظوم)	۲۲۵
۱۵۲۔ حقیقی بیعت	۲۲۶
۱۵۳۔ سب وارثیوں کا ایک وارث	۲۲۶
۱۵۴۔ عاشق کا جانشین خلیفہ	۲۲۸
۱۵۵۔ خلافت، جانشینی اور سجادگی کا خاتمہ	۲۲۹
۱۵۶۔ قلبِ مضطر (منظوم)	۲۳۰
۱۵۷۔ وارثی تصرفات	۲۳۱
۱۵۸۔ جمالِ وارثی	۲۳۴
۱۵۹۔ مناجات	۲۳۵
۱۶۰۔ ہیں لاکھوں کفن بردوش	۲۳۷
۱۶۱۔ مآخذ کتاب	۲۳۹

السلام اے ہادئ راہِ ھدیٰ

السلام اے پرتوِ ذاتِ خدا

آفتابِ ولایت

حصہ اوّل

مؤلف

پروفیسر فیاض کاوشؔ وارثی

انتساب

ساغر چھوا بھی ہو تو مرے ہاتھ ٹوٹ جائیں
ناصح میں کیا کروں وہ نظر سے پلا گئے

اس حسین خواب کے نام ----- جس میں ''سرکار وارث پاکؒ'' نے مجھے ''دیوے شریف'' ----- بلوایا ----- اپنا آستانہ دکھایا ----- روبرو بٹھایا ----- اپنا بنایا ----- اور چلتے وقت اپنے دستِ خاص سے تبرک عطا فرمایا -----!

گرچہ خوردیم نسبتے ست بزرگ
ذرۂ آفتاب تابانیم

--------- فیاض کاوش

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

نہ شمم نہ شب پرستم چو حدیث خواب گویم
کہ ضیائے آفتابم ہمہ آفتاب گویم

آفتابِ ولایت ----- سیدنا حافظ حاجی وارث علی شاہ (اعلیٰ اللہ مقامہ) کاظمی سادات کے حسین گلدستے کے گلِ نو بہار ہیں، ۱۸۲۲ء میں دیوہ شریف (ضلع بارہ بنکی، یو۔ پی) بھارت میں پیدا ہوئے، سات سال کی عمر میں آپ قرآن کریم حفظ فرما چکے تھے۔ صرف چودہ سال کی عمر تھی کہ اہلِ طریقت کے دستور کے مطابق آپ کی دستار بندی بھی ہوگئی اور اسی وقت سے آپ کی ذاتِ بابرکات سے سلسلۂ رشد و ہدایت بھی جاری ہوگیا۔ ۱۵ سال کی عمر میں دربارِ خواجہ میں حاضر ہوئے تو جوشِ ادب نے جوتا پہننا بھی ترک کرا دیا ----- پہلے حج کے لیے احرام جو باندھا تو ہمیشہ کے لیے دنیاوی لباس ہی ترک فرما دیا ----- جدِ اعلیٰ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے تو ''صفتِ ابوترابی'' کے اثر سے زندگی بھر کے لیے فرشِ خاک کو اپنا بستر بنا لیا ----- کربلا پہنچے تو تشنہ لب شہیدوں کے غم میں ہمیشہ کے لئے بھوک پیاس کو اپنا توشہ بنا لیا ----- روزے تو شروع سے رکھتے آئے تھے مگر اب مسلسل سات سات روز تک افطار نہ فرماتے تھے ----- حجِ بیت اللہ شریف کی سعادتیں کم عمری ہی میں حاصل کرنے لگے تھے، بغیر سامانِ سفر کے، پیدل ہی دیارِ حبیب ﷺ کی طرف روانہ ہو جایا کرتے تھے، پھر سالہا سال وطنِ عزیز کی طرف لوٹ کر واپس نہ آتے تھے، دورانِ حج روزانہ مسجدِ حرام میں دو رکعت میں پورا کلامِ پاک ختم فرمایا کرتے تھے۔

آپ کی نورانی شخصیت میں وہ مقناطیسی اثرات تھے کہ سارا زمانہ آپ کی طرف کھچا چلا

آتا تھا، مقدسِ جسم میں برقی لہریں دوڑا کرتی تھیں اور آنکھوں میں نورِ الٰہی کی بجلیاں کوندا کرتی تھیں، آپ کی خدانما صورت کو جس نے ایک بار دیکھا وہ ہمیشہ کے لیے فریفتہ ہوگیا ----- عرب کی سیاحت کے دوران خود اہلِ عرب آپ کے مرید ہوئے، سیر کرتے ہوئے ترکی پہنچے تو سلطان عبدالمجید خاں بمع اہل وعیال آپ کی غلامی میں آگئے ----- یورپ کی سیر وسیاحت کے دوران جرمن کے شہزادے بسمارک نے آپ کی میزبانی کے فرائض انجام دیئے ----- شہزادہ سرویا آپ کا مرید ہوا ----- اور شہزادہ ملان معتقد ہوکر آپ کا مطیع وفرمانبردار بنا۔

اس طرح بارہ سال تک مسلسل آپ عرب وحجاز، ایران وعراق، فلسطین وشام، مصرو ترکی، روس وجرمنی اور تمام یورپ میں روحانیت کا تبلیغی دورہ کرتے رہے، غرضیکہ آپ نے اسلام کی بلندترین روحانی تعلیمات کو ساری دنیا میں عام کیا ----- اور عشقِ الٰہی کی لامحدود، لافانی اقدار کو اپنی بے پناہ قوتِ باطنی سے دلوں میں جاگزیں فرمایا۔

رہے نہ روح کی پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیرِ پاک و خیالِ بلند، ذوقِ لطیف! (اقبال)

غرض کہ ساری دنیا میں آپ نے روحانیت کے تبلیغی دورے کئے، آپ کا روحانی مشن عالمگیر تھا۔ آپ کی ساری زندگی غمِ محبت سے شعلہ زار اور عشقِ الٰہی سے سرشار تھی، حضرتِ نیاز بریلوی کا یہ مصرعہ اکثر آپ کی زبان مبارک پر رہا کرتا تھا۔

ع عشق میں تیرے کوہِ غم سر پر لیا جو ہو سو ہو

ساری زندگی میں آپ کا کوئی سانس ذکرِ الٰہی سے کبھی خالی نہ گیا، آخر وقتِ وصال تک ایک وقت کی نماز کو کئی کئی بار ادا فرمایا، احرام کو کفن اور زمین کو قبر کی منزل سمجھا چنانچہ ----- **موتوا قبل ان تموتوا** ----- کی سچی تصویر بنے رہے۔

دل کو خیالِ یار نے مخمور کر دیا
ساغر کو رنگِ بادہ نے پُرنور کر دیا

زندگی میں کبھی کسی کو ذرا سی بھی تکلیف نہ پہنچائی حتیٰ کہ کبھی کسی جاندار پر سواری تک نہ فرمائی ----- نہ ہی اپنی راحت کا کچھ سامان کیا، انتہا یہ کہ کبھی مسہری، پلنگ، تخت، چوکی، کوچ، کرسی، مونڈھے وغیرہ تک پر آرام نہ فرمایا، نہ کبھی مسند لگائی، نہ سر کے نیچے تکیہ رکھا، نہ تمام عمر آسودہ ہو کر کوئی غذا کھائی، نہ کبھی کسی مزیدار غذا کی طرف رغبت فرمائی اور نہ ہی کسی بدمزہ چیز سے نفرت کا اظہار کیا، غرضیکہ ساری زندگی بھوک اور سیر شکمی کا ایک جیسا اثر لیا، نتیجہ یہ کہ زبان سے نمک اور شکر کا امتیاز ہی ختم ہو چکا تھا۔ تسلیم و رضا کی ایسی عادت ڈالی تھی کہ اپنی بڑی سے بڑی تکلیف کا کبھی اظہار تک نہ ہونے دیا چنانچہ نہ کبھی کراہے، نہ آہ کی ----- نہ کسی کا شکوہ کیا، نہ کسی سے شکایت کی ----- صبر و ضبط کو اس درجہ اپنایا تھا کہ سردی گرمی کا احساس ہی جاتا رہا تھا۔ لوگ آپ کی قوتِ برداشت دیکھ کر حیران ہوا کرتے تھے، لیکن اگر کوئی آپ کے صدق و صفا کی تعریف کرتا تھا تو آپ شرما کر اپنی گردن جھکا لیا کرتے تھے اور لوگوں کے سامنے اپنی روحانی قوت کی پردہ داری اس طرح فرماتے تھے جیسے کوئی اپنا عیب چھپاتا ہو ----- آپ نے کبھی بھی خود کو کسی سے برتر نہ سمجھا اور نہ ہی کسی غیر کو اپنے سے کمتر جانا ----- نہ اپنی تعریف سے کبھی خوش ہوئے اور نہ ہی اپنی برائی سن کر کبھی ناراضگی کا اظہار کیا ----- سونے چاندی کو کبھی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا، روپے پیسے کو کبھی بھول کر بھی ہاتھ نہ لگایا، دوسروں کی راحت و آرام کا بہرحال خیال رکھا اور اپنی ذات کے لئے کسی تکلیف کو تکلیف نہ جانا، تمام عمر کسی سے کچھ نہ مانگا اور اپنے در سے کسی مانگنے والے کو خالی ہاتھ نہ جانے دیا ----- پابندیٔ وضع کا یہ عالم تھا کہ جو بات ایک بار آپ سے سرزد ہوگئی پھر وہی ہمیشہ کے لئے آپ کی عادت بن گئی ----- چہرۂ انور جیسا روشنی میں نظر آتا تھا ویسا ہی اندھیرے میں صاف و شفاف دیکھ لیا جاتا تھا ----- پائے مبارک کبھی خاک یا کیچڑ میں آلودہ نہ پائے گئے، تمام عمر دنیا بھر کا پیدل سفر کرنے کے باوجود تلوے، ماں کی گود میں رہنے والے بچے کی طرح نرم و نازک تھے، ہر مجمع میں آپ سرفراز و سربلند نظر آتے تھے ----- حسن و جمال کا یہ عالم تھا کہ دیکھنے والے اپنے ہوش و حواس کبھی قائم نہ رکھ سکے۔

ے روبرو اس کے کچھ نہیں معلوم
کیا ہوا بے خودی میں کیا نہ ہوا

-----گفتگو مختصر مگر جامع ہوتی تھی، چھوٹے چھوٹے فقرے دل کے پار ہو جاتے تھے۔

ے تاثیرِ برقِ حسن جو ان کے سخن میں تھی
اک لرزشِ خفی مرے سارے بدن میں تھی

آپ کی بزرگی کا چرچا برصغیر کے علاوہ ایشیا، افریقہ اور یورپ کے باشندوں تک پھیلا ہوا تھا، تقریباً ڈیڑھ لاکھ غیر مسلموں کو آپ نے مشرف بہ اسلام کیا اور ہزاروں مشرکوں کو موحد بنا دیا (خواجہ حسن نظامی: اخبار الوکیل، ۲۴ مارچ ۱۹۰۹ء)

آپ کے معتقدین میں ہندوستان کی بڑی بڑی ہستیاں شامل تھیں مثلاً سر سید احمد خاں، استاد ناسخ، مولانا حسرت موہانی، اصغر گونڈوی، ریاض خیر آبادی، بے نظیر شاہ، سیماب اکبر آبادی، مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد، وزیر اعظم دکن، میر محبوب علی خاں، نظام حیدر آباد دکن، سر شیخ عبد القادر بیرسٹر ایٹ لاء، علامہ اقبال و دیگر علمائے فرنگی محل۔ (مشکوٰۃ حقانیہ)

ذاتِ وارث سے دوست و دشمن یکساں فیض پاتے تھے اور ہر ملک و ملت کے لوگ آپ کے رنگ میں رنگے نظر آتے تھے۔

ے اپنا اپنا تجھے سب کہتے ہیں اللہ اللہ
شیخ و میخوار جدا ، کافر و دیندار جدا

چنانچہ آپ کے یہاں ذات پات، رنگ و نسل اور کسی قوم و ملت کی کوئی تفریق نہ تھی -----دربارِ وارث میں راجوں، مہاراجوں، ریاست کے والیوں اور نوابوں کی صف میں، غریب چوڑھے چماروں، خاکروبوں اور مہتروں کو جگہ ملتی تھی-----محض عشقِ الٰہی کے سبب آپ کو مخلوقِ خدا سے پیار تھا -----آپ کا مسلک-----عشقِ الٰہی کا مسلک تھا -----آپ کا پیغام-----محبت-----کا پیغام تھا! اگر-----عشقِ الٰہی-----کی

شان دیکھنا ہو تو -----دربار وارث میں آؤ -----یہاں چھوٹے، بڑے، پیر، مرید سب ایک ہی رنگ میں رنگے نظر آئیں گے-----اللہ کے فقیروں میں کوئی تفریق نہیں ----- چنانچہ نہ یہاں کوئی سجادہ ہے نہ سجادہ نشین-----نہ کوئی مسند ہے نہ مسند آراء-----نہ کسی خلیفہ کا انتظام ہے نہ خلافت کا اہتمام-----یہاں تو سب کا طرز فقیرانہ ہے -----اور سب کا لباس عاشقانہ!-----فرشِ زمین سب کا بستر ہے اور فقط اللہ کی ذات پر تکیہ!

ے دلوں کو فکرِ دوعالم سے کر دیا آزاد
ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے

بس ایک-----عشق-----ہے جو سب میں قدرِ مشترک ہے-----سب کا ایک والی ہے-----سب کا ایک وارث!-----بڑے بڑے نواب اور راجے مہاراجے اس دربار میں طوقِ غلامی کا ارمان لے کر آتے ہیں اور ''فقیر'' بن کر جاتے ہیں-----اور غریب و نادار اس سرکار سے-----''شاہ'' کا لافانی اور لازوال خطاب پاتے ہیں۔

ے آج ان ذروں کو بھی ناز اپنی تابنائی پہ ہے
تیرے در کا نقش سجدہ جن کی پیشانی پہ ہے

ذرۂ ناچیز

۱۹۷۵ء

فیاض کاوش

۱۳۹۵ھ

صدر شعبۂ اردو شاہ عبداللطیف گورنمنٹ کالج

میر پور خاص، تھرپارکر (سندھ)

تعارف

از

جناب صغیر حسن زبیری وارثی نبیرۂ قطبِ عالم حضرت حافظ حسن خاں زبیری وارثی علیگڈھی

پروفیسر فیاض احمد خاں صاحب کاوش-----ایک اچھے انسان ہیں اور فی الواقع جو اچھا انسان ہوتا ہے وہی اچھا ادیب بھی ہوسکتا ہے۔ ہمارے بہت سے ادیب، آدابِ انسانیت سے عاری ہیں۔

بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

پروفیسر فیاض احمد خاں صاحب کاوش-----عالی اخلاق، فراخ دل، بلند حوصلہ اور ہمدرد و غمگسار انسان ہیں-----ہاں کچھ جذباتی ضرور ہیں مگر جب یہی جذبات نظم ونثر کا روپ دھارتے ہیں تو دلوں پر اثر وتاثیر کی بجلیاں گراتے ہیں، وہ بے باک و بے تکلف اور سادہ مزاج ہیں اور یہی خوبیاں ان کی تحریر میں موجزن ہیں۔

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

فیاض کاوش صاحب پٹھانوں کے ایک معزز گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ۱۹۳۷ء میں ہندوستان کے شہر اٹاوہ (یو۔پی) میں پیدا ہوئے۔ مدرسہ تعلیم القرآن میں قرآن وحدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کر کے ملک کی مشہور قدیم درس گاہ-----اسلامیہ ہائی سکول (اٹاوہ) میں داخل ہوئے جہاں سے ۱۹۵۲ء میں میٹرک پاس کیا۔

فیاض کاوش صاحب کی زندگی کا ابتدائی دور ایک ایسے ماحول میں گزرا جو دینی و مذہبی ہونے کے ساتھ ساتھ شاعرانہ اور ادبیانہ تھا-----آئے دن میلاد اور عرس کی محفلیں، قوالیاں اور مشاعرے!-----اس ماحول نے فیاض کاوش صاحب کی طبعیت میں گداختگی پیدا کی۔ وسیع وعریض آستانہ عالیہ وارثیہ مکان سے ملحق تھا جہاں احرام پوش فقراء کی روحانی محفلیں ہوا کرتی تھیں۔ یہیں حضرت ابوالحسن شاہ صاحب وارثی کا مزار پرانوار ہے جہاں سالانہ عرس بڑے تزک واحتشام سے منعقد ہوتا ہے، اس وقت حضرت شاہ محمود صاحب وارثی کی پر وقار اور پر کشش شخصیت فیاض کاوش صاحب کے سامنے تھی جو وضع داری کا کامل نمونہ اور کشف و کرامات کا نورانی مجموعہ تھی -----اس زمانہ میں ایک لاکھ روپے کی لاگت سے وسیع وعریض آستانہ وارثیہ کی عالیشان تعمیر شاہ صاحب کی عالی ہمتی کی دلیل ہے، جس میں شاہ صاحب کی مساعیِ جمیلہ سے سلسلہ وارثیہ میں منسلک ہوکر وارثی فقیر دور دور سے سمٹ سمٹ کر تربیت حاصل کرنے کے لیے یہاں آ کر رہتے تھے-----عملی تصوف کی انہیں مہکتی مہکتی فضاؤں میں فیاض کاوش صاحب نے آنکھ کھولی اور آستانہ عالیہ وارثیہ کے پاکیزہ ماحول میں پروان چڑھے۔

تقسیم کے بعد فیاض کاوش صاحب ۱۹۵۲ء میں پاکستان آکر میر پور خاص (سندھ) میں مقیم ہوئے اور شاہ عبد اللطیف گورنمنٹ کالج میر پور خاص میں داخلہ لیا۔ ساتھ ہی ساتھ کلکٹریٹ تھرپارکر میں ملازم ہوکر سررشتیدار ہو گئے-----ملازمت کے ساتھ ساتھ تعلیم بھی جاری رہی، اس طرح بی۔اے پاس کرلیا تو ذوقِ درس وتدریس کی تسکین کے لیے گورنمنٹ ہائی سکول میں مدرس بن گئے، مدرسی کے دوران ایم۔اے پاس کرلیا تو گورنمنٹ کالج شکارپور (سندھ) میں لیکچرار مقرر ہوئے، کچھ عرصہ گورنمنٹ کالج سانگھڑ (سندھ) میں رہنے کے بعد اب ایک عرصہ سے شاہ عبد اللطیف گورنمنٹ کالج میر پور خاص (سندھ) میں شعبۂ اردو کے صدر ہونے کی حیثیت سے اپنے فرائض منصبی انجام دے رہے ہیں۔

فیاض کاوش صاحب مشاعروں اور ادبی محفلوں میں تو شروع سے حصہ لیتے رہے ہیں۔

البتہ نثر نگاری کا آغاز دیر میں کیا۔ یوں تو پہلے بھی لکھتے رہے لیکن مستقل نہ لکھا۔ اب چند سالوں سے مستقل لکھ رہے ہیں۔ ان کے مضامین و مقالات، نظمیں اور نعتیں پاکستان کے وقیع جرائد میں شامل ہو رہے ہیں۔ اس وقت وہ نظم و نثر میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔

عاشق وارث ہونے کی حیثیت سے-----آفتابِ ولایت-----ان کے روحانی تقاضوں کا منہ بولتا شاہکار ہے، یہ پروفیسر صاحب موصوف کی سات سالہ علمی جد و جہد کا تحقیقی سرمایہ ہے جو اب تک اس موضوع پر لکھی جانے والی تمام کتب کا لبِ لباب اور عطرِ لاجواب ہے۔

میری دعا ہے کہ ربِ تعالیٰ اسے شرفِ قبولیت بخشے اور پروفیسر فیاض کاوش صاحب کی اس کاوش کو قبول عام عطا فرمائے، اللھم آمین۔

صغیر حسن خاں زبیری

منیجر نیشنل بینک (میونسپل برانچ) میرپور خاص (سندھ)

کچھ مصنف کے بارے میں

از قلم: راشد عزیز وارثی۔ مکتبۂ وارثیہ سنگھوئی، جہلم۔ پاکستان

پروفیسر فیاض احمد خاں کاوش وارثی کون تھے، کیا تھے؟ کبھی کسی نے ان کے اندر جھانکنے کی زحمت ہی گوارا نہ کی۔ میرا اُن سے تعلق اُن کی زندگی کے آخری دس گیارہ سالوں پہ محیط ہے۔ اور وہ بھی آدھی ملاقات (خط و کتابت) تک محدود، پوری ملاقات، جو پہلی اور آخری ملاقات ثابت ہوئی، ساری زندگی میں صرف ایک بار ہی ہو پائی۔ اُن کی دلی خواہش تھی کہ "پاکستان میں دیوہ شریف" یعنی چھپر شریف حاضری دیں اور سنگھوئی (جہلم) میں اس مقام کی زیارت کریں کہ جہاں کبھی سرکار وارث پاکؒ نے قدم رنجہ فرمائے تھے۔ چنانچہ وصال سے کچھ عرصہ قبل سنگھوئی تشریف لائے سرکار کی سنت کے مطابق تین روز قیام فرمایا۔ خوب محفلیں سجیں، اتفاق سے انہیں دنوں گیارھویں شریف کا بھی پروگرام تھا۔ ختم شریف کے آخر میں پروفیسر صاحب نے جب پُرسوز آواز کے ساتھ درود تاج پڑھا تو محفل پہ گویا سحر طاری ہو گیا۔ ہمارا باہمی تعلق اس قدر دوریوں کے باوجود بھی کس قدر رپختہ تھا اس کا اندازہ میرے نام ان کے بیشمار گرامی ناموں میں موصوف کے شفقت و محبت اور اخلاص و مہربانی سے لبریز الفاظ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

پروفیسر فیاض کاوش کی کتابیں پڑھ کر یوں محسوس ہوتا تھا کہ یہ تو کوئی بہت بڑے مولانا، کوئی شیخِ طریقت یا شاید کوئی احرام پوش فقیر ہیں، لیکن جب ان سے سلسلۂ مراسلت چلا، تبادلۂ خیال ہوا اور بالآخر ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ:۔

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی

ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی

دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ تو ایک باکمال صاحبِ حال ملامتی صوفی ہیں، جو بظاہر کلین شیو، سادہ لوح، عام سے شخص دکھتے ہیں لیکن اندر سے ایک باعمل عالم، باصفا صوفی، باکمال شاعر اور نقطہ دان ادیب ہیں۔ تصنع، بناوٹ اور ریاکاری سے بالکل پاک، اس قدر سادہ مزاج کہ بظاہر کوئی بھی اس بلند پایہ شخصیت کو پہچان نہ سکے۔ لیکن زبان کھولیں تو پھول جھڑنے لگیں، قلم اُٹھائیں تو موتی پرو دیں اور جب پیار، محبت، خلوص اور شفقت کی پوٹلی کھولیں تو پورے ماحول کو اس کی خوشبو سے معطر کر دیں۔

عالم ایسے کہ بڑے بڑے علمائے کرام ان کے سامنے پانی بھریں، سفید پوش فقیر ایسے کہ بڑے بڑے پیرانِ عظام اور احرام پوش اُن کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کریں۔ کردار اور اخلاق کی عظمت و رفعت ایسی کہ دور و نزدیک سے احباب کھنچے چلے آئیں، شاعر ایسے کہ ان کی فقط ایک نعت سن کے صدرِ پاکستان بھی وجد میں آ گئے اور صدارتی ایوارڈ یافتہ ٹھہرائے گئے اور ادیب ایسے کہ ''آفتابِ ولایت'' کی صورت میں عشق و محبت کا تاج محل کھڑا کر دیا۔

دیکھ لو آج پھر نہ دیکھو گے
غالبؔ بے مثال کی صورت

جی ہاں! یہ عشق ہی کا اعجاز تھا کہ جس نے انہیں یہ عزت، یہ عظمت، یہ رفعت اور فکر و فن کا تعرج عطا کیا۔ وہ عاشق تھے عاشق۔ عاشق کی حیاتی پہ بات کرنا اور عاشق کی تخلیق کا جائزہ لینا ایک عام قاری کے بس کا روگ نہیں۔ اور پھر ایک ایسی شخصیت کہ جس کی تمام زندگی ہی عشق، محبت، درد، تڑپ اور سوز و گداز سے عبارت ہو اس کو سمجھنا اور اس کی قلبی کیفیات کی ترجمانی کرنا کارے دارد۔

اشرفُ العالمین، امامِ عاشقاں، سرگروہِ فقراء و دراویش، آفتابِ ولایت سیدنا و مرشدنا حافظ حاجی وارث علی شاہ قدس سرہ العزیز کی ذات والا صفات نے پروفیسر فیاض کاوشؔ کے دل

میں ایسی آگ لگائی کہ ''العشق نار یحرق ما سوا المحبوب'' کے مصداق ان کے دل و دماغ سے محبوب کے علاوہ سب کچھ جلا کے راکھ کر دیا۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی زبان جب کھلتی اور ان کی قلم جب چلتی تو ان سے وارث پاکؒ کا ہی ذکرِ خیر نکلتا۔ بات کہیں کی ہو، کسی کی ہو، کوئی بھی چھیڑے تان بالآخر وارث پاکؒ کے ذکرِ مبارکہ پہ ہی ٹوٹتی۔

اس حقیقت سے تو ہر خاص و عام بہت اچھی طرح آشنا ہے کہ جو جس سے محبت کرتا ہے اس کا ذکر کثرت سے کرتا ہے اور اس کی شان کے خلاف اور اس کے مزاج کے برعکس کسی چیز کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اس کا عملی ثبوت پروفیسر فیاض کاوش نے بڑی جانفشانی اور بے باکی سے اور بڑی مخالفتیں مول لے کر پیش کیا۔ راہِ حق کا پتہ تو سب کو ہے لیکن اس پہ چلتا کوئی کوئی ہے۔ کیونکہ راستے کی مشکلات، مصائب اور پریشانیوں کا تصور ہی بندے کو ہلا کے رکھ دیتا ہے۔ جہاں وارثِ پاکؒ کی ذات اقدس پہ بات ہو اور سلسلۂ وارثیہ کے اصول وضوابط کا معاملہ ہو وہاں وہ ہر قسم کی رواداری، وضع داری، رورعایت اور پاس ولحاظ کو بالائے طاق رکھ دیتے تھے۔ بالکل صاف، کھری اور دوٹوک بات منہ پہ کہہ دیا کرتے تھے، جس کی وجہ سے بڑے بڑے نامی گرامی پیرانِ عظام، احرام پوش اور وارثی حضرات ان سے بھاگتے تھے۔

نکل جاتی ہو سچی بات جس کے منہ سے مستی میں
فقیہِ مصلحت بیں سے وہ رندِ بادہ خوار اچھا

اکثر احباب تو ان کی اس صفت کا فقط تذکرہ ہی فرماتے ہیں لیکن میرے پاس پروفیسر صاحب کے بے شمار خطوط اس حوالے سے بطور ثبوت آج بھی موجود ہیں۔ وہ اکثر احباب کی بے عملی پہ کڑھتے اور ان کی اصلاح کے لئے کوشاں رہتے۔ عشق ومحبت کے معاملے میں وہ کسی سودے بازی، شراکت یا چون وچرا کے قائل نہ تھے۔ وارث پاکؒ سے ان کے تعلق اور نسبت کا احوال ان کے اپنے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے:۔

''یہ 1964ء کی بات ہے کہ میں تبادلہ ہو کر اندرونِ سندھ سانگھڑ گیا۔ یہ ریلوے لائن

سے الگ تھلگ ایک علاقہ ہے۔ وہاں شہر میں ہمارے لئے کوئی مانوس ماحول نہ تھا۔ شام کو ہم چند آفیسر جو مختلف محکموں سے تعلق رکھتے تھے لیکن تصوف کے رسیا تھے مل بیٹھ کر بندگانِ خدا کے واقعات بیان کرتے تھے۔ ایک دن وقار احمد صدیقی صاحب اسسٹنٹ منیجر نیشنل بینک سانگھڑ (سندھ) نے اپنے مخصوص دلنشیں انداز میں سیدنا سرکار وارث پاک قدس سرہ العزیز کا ذکر چھیڑ دیا۔ سیدنا سرکار وارث پاکؒ کا نامِ نامی اسم گرامی سنتے ہی میں نے بھی آستانۂ وارثیہ اٹاوہ سے منسلک حالات و واقعات سنائے۔ رات زیادہ ہو گئی۔ کالج شہر سے دور تھا۔ محفل برخاست ہوئی تو میں نے یاروں سے کہا کہ رات کا ڈیڑھ بجا دیا----- میرا سونا خراب کیا----- وقار بولے کہ آپ نے تو سونا بنایا ہے اور پھر واقعی رات کو سونا بن گیا! ----- میں سویا تو میں نے خود کو دیوے شریف میں پایا۔ اس سے قبل نہ کبھی دیوے شریف گیا تھا اور نہ ہی آستانۂ عالیہ کا فوٹو نظر سے گذرا تھا مگر اب تو بذاتِ خود نہایت تفصیل سے سب مراحل طے کر رہا تھا۔ جی ہاں۔ نہایت عقیدت سے درگاہ کے صحن میں داخل ہوا۔ سیڑھیاں چڑھ کر بڑے چبوترے پر پہنچا۔ گھوما پھرا۔ آخر خود کو روضۂ اقدس کے اندر پایا۔ وہاں قبرِ اطہر کو احرام پوش عرقِ گلاب سے غسل دے رہے تھے۔ مجھے بھی ایک بزرگ نے سفید کپڑے کا ٹکڑا عنایت فرمایا اور میں بھی غسل مبارک دینے کی سعادت حاصل کرنے لگا۔ اس سے فراغت پا کر باہر آیا اور روضہ کے دروازے کے سامنے دو رویا بیٹھے ہوئے احرام پوشوں کے ساتھ ہاتھ باندھ کر بیٹھ گیا----- تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ مقدر جاگا۔ دروازہ کھلا اور معاً سیدنا سرکار وارث پاکؒ بنفسِ نفیس برآمد ہوئے۔ ہم ادب سے کھڑے ہوئے۔ سرکار تشریف فرما ہوئے۔ اور ہم بھی سرکار کے سامنے دو زانو سر جھکا کر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد دیکھا کہ سرکار والا تبار کے ہاتھ میں ایک رجسٹر آیا۔ سرکار اسے کھول کر اپنے قلم سے اس میں کچھ لکھنے لگے۔ مجھے خوش نویسی کا بڑا شوق رہا ہے۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ سرکار کیا لکھ رہے ہیں میں اپنی جگہ سے اٹھ کر آہستہ آہستہ سرکار کی پشت مبارک کی طرف پہنچ گیا اور وہاں جھانک کر دیکھا تو سرکار سنہرے حروف میں میرا ہی نام اپنے رجسٹر میں خوشخط لکھ رہے تھے۔ میں دل میں کہہ

رہا تھا کہ سرکار کا خط کسقدر خوبصورت ہے۔ یہ سوچتا ہوا پھر آ کر میں اپنی جگہ پر دوزانو بیٹھ گیا۔

اس کے بعد سرکار کے ہاتھ میں شکر دانوں سے بھری ہوئی پلاسٹک کی سفید تھیلی دیکھی جو سرکار نے اپنے دستِ خاص سے مجھے عطا فرمائی میں نے اس میں پڑے ہوئے کچھ سکے بھی دیکھے ----- اس وقت تک یہاں پلاسٹک کی تھیلیاں چلی نہیں تھیں اور نہ ہی میں نے ان کے بارے میں کچھ پڑھا سنا تھا اور نہ ہی تصویر دیکھی تھی۔ اسی طرح سرکار کا نہ روضہ دیکھا تھا اور نہ اس کا فوٹو دیکھا تھا اور نہ ہی اس کے بارے میں کچھ پڑھا تھا ----- بعد کی تصدیقات نے سب کچھ سچ ثابت کر دکھایا۔ آفتابِ ولایت کا انتساب بھی میں نے اسی مبارک خواب کے نام کیا ہے۔ آپ نے پڑھا ہوگا ----- یہ ہے میری بیعت کی حقیقت۔''

اب تک سلسلۂ وارثیہ پر جتنی بھی کتب تالیف کی گئی ہیں ان سب کی اہمیت وافادیت اور مقام ومرتبہ اپنی جگہ بالکل مسلم ہے لیکن اگر ادبی نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو ان میں سب سے زیادہ منفرد اور ممتاز حیثیت کی حامل کتاب آفتابِ ولایت ہے جس کی ہر ہر سطر وارثِ پاکؒ کے عشق ومحبت کے رنگ اور ادبی لطافتوں اور نزاکتوں سے مرصع اور مسجع ہے۔

پروفیسر صاحب تمام امتِ مسلمہ کی حالتِ زار اور خصوصاً وارثی احباب کی بے عملی پہ ہر وقت کڑھتے رہتے تھے۔ وہ عقائد ومعاملات کی اصلاح پہ بہت زور دیتے۔ اس مقصد کیلئے انہوں نے متعدد کتابیں تحریر کیں۔ جنہیں مختلف اداروں نے طبع کرایا۔ ''آفتابِ ولایت'' کی اشاعتِ نو کیلئے بھی کئی اداروں نے ان سے رابطہ کیا لیکن انہوں نے بوجوہ کسی کو اس کی اشاعت کی اجازت نہ دی۔ یہ موصوف کے بندہ کے ساتھ قلبی وروحی تعلق، عزیز نوازی اور عزت افزائی کی بین دلیل ہے کہ ''آفتابِ ولایت'' کی اشاعتِ نو کیلئے آخری وقت تک بار بار تاکید فرماتے رہے۔ اس سلسلہ میں بندہ کے نام ان کے چند ایک خطوط سے اقتباسات نذرِ قارئین ہیں:-

☆ ''میں کتابیں لکھ سکتا ہوں چھاپ نہیں سکتا۔ یہ میرے بس کی بات نہیں۔ البتہ ہم میں سے یہ سعادت اللہ تعالیٰ نے آپ کو بخشی ہے۔''

؎ ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

☆ ''آپ نے وارثیت کی حنابندی کے لئے جو احسن اقدام کیا ہے اللہ تعالیٰ اس میں استحکام عطا فرمائے۔ امین!-----اور وارثیت کے بکھرے ہوئے اوراق کی شیرازہ بندی کے لئے آپ کا ادارہ دن دونی رات چوگنی ترقی کرے۔ ثم امین!-----اس میں جو احبابِ طریقت دامے، درمے، قدمے، سخنے، قلمے تعاون کررہے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ بیش از بیش انعاماتِ عالیہ سے نوازے۔ آمین ثم آمین بحق سید المرسلین ﷺ''

☆ ''کاش اللہ پاک ہمیں توفیق بخشے کہ ہم خود اسے (آفتابِ ولایت) چھپوا کر مفت تقسیم کریں۔''

☆ ''کاش ایسا کوئی سخی ہو کہ کتاب سے کتاب چھپوا کر آفتابِ ولایت کا بہتر ایڈیشن بازار میں لے آئے۔ اس پر واجبی سے مناسب منافع کے ساتھ اصل لاگت اگر وصول کرلی جائے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ اس طرح پیر بھائیوں کا بوجھ ہلکا کردیا جائے تو بڑا ثواب ملے۔ اگر آپ اپنے ادارہ کے ذریعہ یہ کارِ خیر انجام دے سکیں تو میری خوشی کی انتہا نہ رہے۔ اس کے بعد مر بھی جاؤں تو روح کو قرار آجائے ورنہ بعد مردن بھی میری روح کرب کی اس آگ میں جلتی ہی رہے گی۔''

؎ خواب بن کر رہ گئی ہیں کیسی کیسی محفلیں
خیال بن کر رہ گئے ہیں کیسے کیسے آشنا

لیجئے! وارثیت اور محبت کی دنیا کا یہ عظیم شاہکار پوری آب وتاب کے ساتھ آپ کی نذر ہے۔ ایک دفعہ پھر ہم نے خلوصِ نیت سے پوری کوشش کی کہ ''آفتابِ ولایت'' ''شہنشاہِ ولایت'' کے شایانِ شان طبع ہو۔ احباب اس ہدیۂ عقیدت کو محبت کے ساتھ قبول فرمائیں۔ بتقاضائے بشریت اگر اس میں کوئی خطا رہ گئی ہو تو معاف فرمائیں اور اس کی نشاندہی ضرور فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تلافی کی جاسکے۔ اللہ کریم جل شانہٗ پروفیسر فیاض کاوش کو کروٹ کروٹ رحمتوں سے نوازے اور روزِ محشر اپنے پیارے حبیب حضور نبی کریم رحمت اللعالمین

ﷺ کی شفاعت اور مرشدِ کریم سرکار وارثِ پاکؒ کا ساتھ عطا فرمائے اور ہم سب کو سرکار وارثِ پاکؒ کی نورانی تعلیمات کو پڑھنے پڑھانے، سمجھنے سمجھانے اور اُن پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ **وما علینا الا البلاغ المبین۔**

....

سوانحی خاکہ مصنف کتاب ھذا

پروفیسر فیاض احمد خان کاوشؔ

﴿اردو شاعر۔ ادیب۔ مصنف۔ ماہر تعلیم۔
صدر شعبۂ اردو شاہ عبداللطیف بھٹائی کالج میر پور خاص، سندھ﴾

نام: فیاض احمد خاں

تخلص: کاوشؔ

ولادت: ۱۵ جنوری ۱۹۳۷ء

مولد: اٹاوہ/ یو۔ پی

ولدیت: فیض محمد خان پٹھان

تعلیم: قرآنِ پاک، مدرسہ تعلیم قرآن، اٹاوہ/ میٹرک ۱۹۵۲ء میں، اسلامیہ ہائی سکول اٹاوہ/ ۱۹۵۲ء میں ہند سے پاک آمد میر پور خاص میں قیام/ شاہ عبداللطیف گورنمنٹ ڈگری کالج سے بی اے/ سندھ یونیورسٹی جامشورو سے ایم اے۔

تدریس: دورانِ تعلیم ملازمت آغاز کی، پہلے کلکٹریٹ تھر پارکر میں بحیثیت سرشتہ دار/ گورنمنٹ ہائی سکول میر پور خاص/ گورنمنٹ ڈگری کالج شکار پور بحیثیت لیکچرار/ گورنمنٹ کالج سانگھڑ/ شاہ

عبداللطیف بھٹائی گورنمنٹ ڈگری کالج میرپورخاص، ۱۹۹۶ء میں ریٹائر ہوئے۔

وفات: ۱۲ اکتوبر ۱۹۹۹ء/۲ رجب ۱۴۲۰ھ، بروز منگل، دوپہر ۴۵:۱۱، میرپورخاص

تدفین: احاطہ مزار پیر بابا سخی، میرپورخاص

اعزاز: صدارتی ایوارڈ برائے نعت

تصانیف:

نبی امی ﷺ کی فصاحت وبلاغت: لاہور، بزم عاشقان مصطفیٰ، ۱۹۹۹ء، اول/ کراچی، مکتبہ امام غزالی، ۲۰۰۳ء، دوم

اسلامی عقائد (حصہ اول ودوم): میرپورخاص، جماعتِ اہلِ سنت، ۱۹۸۱ء، برکاتی پبلشرز، ۱۹۸۷ء

پیرانِ پیر: (اس کتاب کے پاک وہند میں کئی ایڈیشن شائع ہوئے)

گلستانِ درود شریف: میرپورخاص، دارالعلوم اہل سنت رضویہ، ۱۹۹۲ء

تعلیم الایمان (حصہ اول ودو): میرپورخاص، جماعتِ اہلِ سنت، ۱۹۹۱ء

گیارہویں شریف کی حقیقت: لاہور، سنی لٹریری سوسائٹی، ۱۹۹۴ء

نور ونکہت: (نعتیہ مجموعہ کلام)، سیالکوٹ، اسلامی کتب خانہ، ۱۹۷۹ء

آفتاب ولایت: کراچی، مدینہ پبلشنگ کمپنی، ۱۹۹۰ء

خواجہ معین الدین چشتی: میرپورخاص، شرکت اسلامیہ، ۱۹۹۹ء

مختصر سوانح مولانا احمد رضا خان: صادق آباد، رضا انٹرنیشنل اکیڈمی، ۱۹۹۰ء

تبلیغی جماعت کا اعلانِ وہابیت: کراچی، ادارہ تصنیفات امام احمد رضا، ۱۹۸۲ء

شیطان کی آنت (نجدیت کا بلیغ رد): کراچی، دارالکتب حنفیہ، ۱۹۸۴ء

ننگِ دیں، ننگ وطن۔ تحریکِ بالاکوٹ کی نقاب کشائی: کراچی، برکاتی پبلشرز، ۱۹۸۷ء

احمدی مسلمان نہیں (سندھی): پمفلٹ، میرپورخاص

دارالعلوم دیوبند کی کہانی علمائے دیوبند کی زبانی (غیر مطبوعہ)

دیدہ و دانستہ (غیر مطبوعہ)

اسماعیلی معبود: کراچی، الجمعیۃ القادریہ

شادی/اولاد: میر پور خاص میں شادی کی، دو بیٹے: اعجاز احمد خان، رفیق احمد خان، سات بیٹیاں

تلامذہ: قدرت اللہ بیگ، (مرتب، نذرِ کاوش، مطبوعہ شرکت اسلامیہ میر پور خاص، ۱۹۹۹ء)

-----اور بھی کئی نام ہیں۔

وصیت کے مطابق محمد شریف بھائی نے غسل دیا، عبدالرحمٰن قادری نے حسب ارشاد نعت پڑھی، نمازِ جنازہ پروفیسر ڈاکٹر سید محمد مسعود احمد نقشبندی نے دارالعلوم اہل سنت والجماعت میر پور خاص کے صحن میں پڑھائی۔ وصیت کے مطابق، خواجہ سید عبدالمجید شاہ چشتی معروف بہ پیر بابا سخیؒ کے قرب (واقع سید فارم میر پور خاص) میں دفن ہوئے۔ حکیم سید اکرام شاہ، بکری (حیدر آباد) نے مادہ تاریخ وفات کہا:

ع سالِ انتقال شمع دانش، کاوش مرحوم (۱۹۹۹ء)

مآخذ:

راشدی، صاحبزادہ سید محمد زین العابدین، **انوار علمائے اہل سنت سندھ:** ترتیب وتہذیب، محمد عبدالکریم قادری رضوی، لاہور، زاویہ پبلشرز، ۲۰۰۶ء، ص ۶۶۷-۶۷۶

افتتاحیہ

ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب نقشبندی مجددی، ایم۔اے

(گولڈ میڈلسٹ)..... پی۔ایچ۔ڈی..... ایس ای۔ایس درجہ اول

سیرت و کردار کی اہمیت کا کسی کو اندازہ نہ تھا، سب سے پہلے اسلام ہی نے اس طرف متوجہ کیا اور بتایا کہ ---- سیرت ---- ایک عظیم حقیقت ہے ---- ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ---- لیکن آج بھی بعض لوگ ---- علم و دانش ---- کو ---- سیرت و کردار سے افضل سمجھتے ہیں ---- یقیناً علم افضل ہے لیکن علم کا مقصود ---- معرفتِ نفس یا ---- معراجِ انسانیت ہی ہے اس لئے ---- علم ---- مقصود بالذات نہ ہوا بلکہ مقصودِ حقیقی انسان کی اپنی سیرت ہے۔ علم کے ذریعہ اس کو بنانا سنوارنا ہے ---- لہٰذا سیرتِ کامل ---- علم و دانش سے بہتر ہے۔ اگر صرف علم و دانش ہی انسان کے لیے کافی ہوتے تو پھر ہمارا دور کاملین کا دور ہوتا ---- لیکن یہ کیا بات ہے کہ بیسیوں علوم و فنون دریافت ہونے اور لاکھوں بلکہ کروڑوں کتابوں کے لکھے جانے کے باوجود وہ بات پیدا نہ ہو سکی جو صاحب قرآن پاک جناب رسالت مآب ﷺ نے اپنے سیرت و کردار سے پیدا کر دی۔

چنانچہ حضراتِ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو ایک سیرتِ کاملہ (ﷺ) ہی نے تو بلندیوں تک پہنچایا تھا۔ انہوں نے کسی مکتب و مدرسہ میں نہیں پڑھا تھا۔ صرف صحبتِ نبوی ﷺ نے انہیں آسمان تک پہنچا دیا تھا، پس صالحین اور کاملین سے منہ نہ موڑنا چاہئے کہ یہ خود زندگی سے منہ موڑنا ہے۔ جو لوگ حضراتِ اہلِ اللہ کو بے فیض سمجھ کر خود آگے بڑھنا چاہتے ہیں وہ اس نادان طالب علم کی مانند ہے جو استاد سے منہ موڑ کر خود اپنے ذاتی مطالعہ سے اعلیٰ مدارج طے کرنا چاہتا

ہے لیکن عالمِ اسباب میں تو وسائل کی ضرورت ہوتی ہے، بغیر وسیلے کے مقصد تک پہنچنا مشکل ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اللہ نے فرمایا ہے----مجھ سے مانگو، میں تمہیں دوں گا----مگر جب ہم کو قرآن کی زبان میں یہ ہدایت کی جاتی ہے کہ----ہم کو ان لوگوں کی راہ دکھا جن پر تو نے انعام فرمایا، ان لوگوں کی راہ نہ دکھا جن پر تیرا غضب نازل ہوا----تو اس طرح دراصل مانگنے کا سلیقہ سکھایا جا رہا ہے----اب جب مانگنے والا ان برگزیدہ بندوں سے روگردانی کرتا ہے تو درحقیقت وہ اپنے رب سے روگردانی کرتا ہے کیونکہ اللہ ہی نے ام الکتاب میں اپنے بندوں کو اس طرف متوجہ کیا ہے۔

دوسری بات یہ کہ انسان----جسم اور روح سے مرکب ہے اس لئے اس کو دوہری تعلیم اور دوہری معیشت کی ضرورت ہے۔ اگر روح نہ ہوتی، صرف جسم ہوتا تو پھر ایک قسم کی تعلیم اور ایک ہی قسم کی معیشت کافی تھی۔

علومِ ظاہری----درس و تدریس سے حاصل ہو جاتے ہیں لیکن علومِ باطن ----اتعلق روح سے ہے اس لئے علومِ باطن......صحبت سے حاصل ہوتے ہیں۔ چنانچہ علومِ سائنس کا طالب علم----سائنسدان ہو سکتا ہے لیکن علوم شریعت کا عالم---- عارف ----نہیں ہو سکتا، اس کے لئے----عملی تربیت----شرط ہے اور اسی عمل کا دوسرا نام ----سیرت----ہے، چنانچہ علومِ باطن کے لئے ایسی سیرتوں کی ضرورت ہے جن میں یہ علوم جیتے جاگتے نظر آئیں----ایسا صاحب سیرت----مرد کامل----ایک عظیم قوت ہے جو اپنے ماحول اور اپنے عہد پر اثر انداز ہوتا ہے----وہ اپنے عہد کا ایک روشن مینار ہوتا ہے جس سے چہار دانگ عالم جگمگا اٹھتے ہیں۔

زیر نظر کتاب----آفتابِ ولایت----حضرت حاجی حافظ وارث علی شاہ قدس سرہ العزیز کی سیرتِ پاک کا روشن مینار ہے جس کی تجلیوں سے لاتعداد تاریک دل جگمگا کر چراغ ہدایت بن گئے۔ حضرت حاجی وارث علی شاہ صاحبؒ آفتابِ ولایت' ہی نہیں، آفتابِ

محبت بھی تھے۔ جو جہانِ انسانیت پر اس طرح چمکا کہ جس کو دیکھو ان کی طرف کھنچا چلا آ رہا ہے -----محبت میں بڑی کشش ہے-----یہ نہیں تو کچھ نہیں۔ اسی لئے سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا اور بار بار فرمایا:

الا لا ایمان لمن لا محبۃ لہ الا لا ایمان لمن لا محبۃ لہ
الا لا ایما ن لمن لا محبۃ لہ۔

''ہاں دیکھو جس کے دل میں محبت نہیں، اس کے دل میں ایمان نہیں-----بلا شبہ جس کے دل میں محبت نہیں، اس کے دل میں ایمان نہیں-----ہاں آگاہ ہو جاؤ، خبر دار ہو جاؤ جس کے دل میں محبت نہیں، اس کے دل میں ایمان نہیں۔''

حضرت وارث علی شاہؒ کا مسلک، مسلکِ محبت تھا-----اس دنیا میں، جو نفرت کی آگ سے دہک رہی ہے اور جہاں انسانیت محبت کو ترس رہی ہے-----آپ کی ذاتِ اقدس ایک عظیم سہارا ہے-----آپ کا تذکرہ خود محبت کا تذکرہ ہے۔

ضرورت تھی کہ کوئی فاضل اس طرف متوجہ ہوتا اور اس سیرتِ پاک کو دلنشیں انداز پیش کرتا، خدا کا شکر ہے کہ یہ کام برادرِ مکرم پروفیسر فیاض احمد خاں کاوش زید مجدہ نے کر ڈالا----- یہ انہیں ہی کی ہمت تھی-----وہ خود اس آفتابِ محبت کے فدائی ہیں اور اہلِ اللہ کے شیدائی۔

عوام الناس کے استفادے کے خیال سے اس تالیف میں سلیس، صاف اور سادہ زبان استعمال کی گئی اور اندازِ بیان رواں اور دل نشیں ہے، اختصار کو بہر حال پیش نظر رکھا ہے۔ اس سے قبل وارثِ پاک کے سیرت نگاروں نے عبارت آرائی کے جو جوہر دکھاتے ہوئے جن باتوں کو کئی کئی صفحات میں پھیلا کر پیش کیا تھا، فاضل مؤلف نے ان کے نفسِ مضمون کو نہایت اختصار سے چند سطروں کے اندر سیدھی سادی عبارت میں پیش کر دیا ہے، سوائے ان چند مخصوص مواقع کے جہاں کوئی خاص تاثر پیش کرنا مقصود تھا وہاں البتہ تاثراتی اندازِ بیان اختیار کیا گیا ہے ورنہ مجموعی طور پر پوری کتاب سیدھے سادے بیانیہ انداز میں ہے، پھر بھی تحقیقی تقاضوں کا خیال رکھا

گیا ہے حواشی پر باقاعدہ حوالے درج کر دیئے گئے ہیں، کوئی بات بغیر دلیل نہیں لکھی گئی البتہ تنقید سے حتی الامکان گریز کیا گیا ہے بلکہ اس سلسلے مین اکابرین سلسلہ کے مسلم الثبوت مشاہدات و واقعات کو اثبات کے رنگ میں پیش کر دیا گیا ہے، اس طرح -----آفتابِ ولایت----- سیرتِ وارثِ پاک کا ایک ایسا صاف شفاف آئینہ بن گیا ہے جس میں ہر وارثی اپنے محبوب کو آمنے سامنے دیکھ سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ -----آفتاب ولایت-----اخلاص فکر و عمل کی منہ بولتی تصویر ہے-----یہ صحیفۂ آدابِ محبت ہے، خدا کی محبت-----رسول ﷺ کی محبت----- اہلِ بیتِ اطہار کی محبت-----اور وارثِ پاک کی محبت!

بلا شبہ تشنگانِ عشق کے لیے زیرِ نظر-----تالیفِ محبت-----تریاق و اکسیر کی تاثیر رکھتی ہے۔ جو پروفیسر فیاض کاوش صاحب کی عقیدت و محبت کا نورانی شاہکار ہے۔ مادہ پرستی کے اس تاریک دور میں بھٹکتے ہوئے انسانوں کے لیے آفتابِ ولایت کے اندر نورِ باطن کے اجالے بھی ہیں اور تہذیبِ نو کی کچلی ہوئی انسانیت کے لیے روحانیت کی زندۂ جاوید مسرتیں بھی!

کتاب قارئین کے سامنے ہے وہ خود پڑھ کر اس کی رفعت و بلندی اور جذبے کی صداقت کا اندازہ کر سکیں گے-----اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبولیتِ عامہ عطا فرمائے اور قارئین کے لیے شمع ہدایت بنائے۔ آمین

قصیدہ در ثنائے آفتابِ ولایت حضرت وارث علی شاہؒ

نتیجۂ فکر

عالیجناب ہزا کسلنیسی راجۂ راجگان مہاراجہ سر کشن پرشاد شادؔ

جی سی آئی ای یمین السلطنت سابق مدار المہام، وزیر اعظم تاجدارِ دکن

فروغِ بزمِ اربابِ حقیقت ۔ شہِ وارث علی شمعِ ولایت
عبودیت میں تھے جو بندۂ خاص خواص الخاص سے تھے در حقیقت
شریعت کے ادب کو بھی نہ چھوڑا نہ چھوڑا مسلکِ اہلِ حقیقت
شریعت میں ہوئے جو سب کے ہادی طریقت میں بنے پیرِ طریقت
جہاں میں تھے شناسائے حقیقت تماشا گاہِ وحدت تھی یہ کثرت
وہ دل تھا آپ کا مرأتِ صافی کہ تھی جس سے عیاں ہر شے کی صورت
بظاہر آپ تھے حاجی و حافظ بڑے عارف بھی تھے حضرت سلامت
نہ پوچھو آپ کا مشرب کہ کیا تھا محبت تھی، محبت تھی، محبت
جسے کہتے تھے سب عشقِ الٰہی یہی مذہب تھا سچا اور ملت
نہ تھی کچھ کفر اور اسلام سے بحث مخالف اور موافق سے تھی الفت
نہیں تھا آشنا، بیگانہ میں فرق کہ سب رکھتے تھے مہر و محبت
جہاں میں مظہرِ عشق اتم تھے ہمیشہ آپ کی تھی ایک حالت
بحمد اللہ دل کے بھی غنی تھے نہیں تھی دولتِ دنیا کی حاجت
خداوند تعالیٰ سے ملی تھیں عجب دو نعمتیں صبر و قناعت
مسخر ہو گئے تھے دل جہاں کے کرامت تھی، دیا تھی، قلبی الفت
خدا کی ذات سے تھا آپ کو قرب خدا کے ساتھ تھی یہ خاص نسبت

امام الاولیا کہئے بجا ہے ولی تھے رکھتے تھے شانِ امامت
خدا کی شان تھی ان کی ہر اک شان ادا اس شان کی کیونکر ہو مدحت
ہوں عبدِ رب، کشن پرشاد ہے نام ولی ہے آپ سے مجھ کو عقیدت
فقیرِ خاندانِ چشت ہوں میں "خماری شاہ" ہے نام طریقت
بہر صورت عقیدت مند ہوں شاؔد خدا نے دی ہے مجھ کو یہ سعادت
مرے خواجہ کی جو صورت ہے ظاہر وہی ہے آپ کی لاریب صورت
معین الدیں کی شاں اور آپ کی شاں حقیقت میں ہے رکھتی اک حقیقت
کہوں مستی میں آ کر صدقِ دل سے بصد شوقِ دلی حضرت سلامت
بھلے دن آ گئے قسمت سے میری ملی دونوں جہاں کی اب حکومت
جزاک اللہ فی الدارین خیرا جو مانگا وہ ہوا مجھ کو عنایت

ماخوذ از فائل............صحیفۂ وارثؒ (دیوہ شریف)

ھُوَالوَارِثُ

نامِ نامی اسمِ گرامی

سب میں کچھ کچھ کمی سی لگتی ہے
جو بھی آتے ہیں ذہن میں القاب

آفتاب ولایت

سلطان التارکین-----سرتاج الواصلین-----سراج السالکین-----قطب العارفین-----عارف باللہ-----فانی فی اللہ-----باقی باللہ-----آیۃ من آیات اللہ-----امام الاولیاء-----سید السادات-----سیدنا ومولانا-----حضرت حافظ قاری حاجی وارث علی شاہ قدس سرہ العزیز-----کا نامِ نامی، اسمِ گرامی-----رب تعالیٰ کی ایک ممتاز صفتِ ذاتی کا حامل ہے-----

اکثر اولیائے کرام کے نامِ نامی میں یہ بات دیکھی گئی ہے کہ خدائے برتر کے جس مقدس نام میں وہ فنا ہوئے وہی ان کا نام مشہور ہوا جس طرح حضرت سیدنا محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی-----محیی-----میں فنا ہو کر-----احیائے دین-----کا باعث ہوئے، چنانچہ اسی لقب سے ملقب ہوئے، یا جیسے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ-----دینِ متین کے واقعی معیّن و مددگار ثابت ہوئے-----بالکل اسی طرح ''الوارث''-----خدائے برتر کا نام ہے اور اس کے معنیٰ ہیں-----فنائے عالم کے بعد قائم رہنے والا-----چنانچہ سرکار عالی کی ذاتِ والا صفات اسم ''وارث'' کی مظہرِ اتم تھی۔

چنانچہ آپ نے ابتدائی عمر ہی سے-----موتو اقبل ان تموتوا-----(مر جاؤ مرنے سے پہلے) کے مراحل طے فرمائے، آخر اسم وارث کے صحیح مصداق بن کر-----بقائے دوام سے نوازے گئے-----!

آپ کو باطنی علوم اور روحانی فیوض بلاواسطہ اپنے جد اعلیٰ ----- حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے وراثت میں ملے تھے اسی لیے ظاہری و باطنی طور پر آپ ''وارثِ علی'' کہلائے۔

وارثِ پنجتن پاکؑ

اولاد ہے یہ خاص شہِ مشرقین کی چھبیسویں ہے پشت جنابِ حسینؑ کی
پتلی یہی ہے فاطمہؑ کے نورِ عین کی مہرِ نگیں ہے فاتحِ بدر و حنین کی

یہ جوہر و خلاصہ ہے دونوں جہان کا
بندہ نظر پڑا ہے خدائی کی شان کا

ذات ایسی لاجواب کہ دنیا میں آفتاب دنیا میں آفتاب تو عقبیٰ میں ماہتاب
عقبیٰ میں ماہتاب تو کوثر پہ جوشِ آب کوثر پہ جوشِ آب سے پھر ساقی شراب

ساقی شرابِ کوثر و تسنیم کا یہ ہے
وارث علی و احمد بے میم کا یہ ہے

ایں خانہ ہمہ آفتاب است
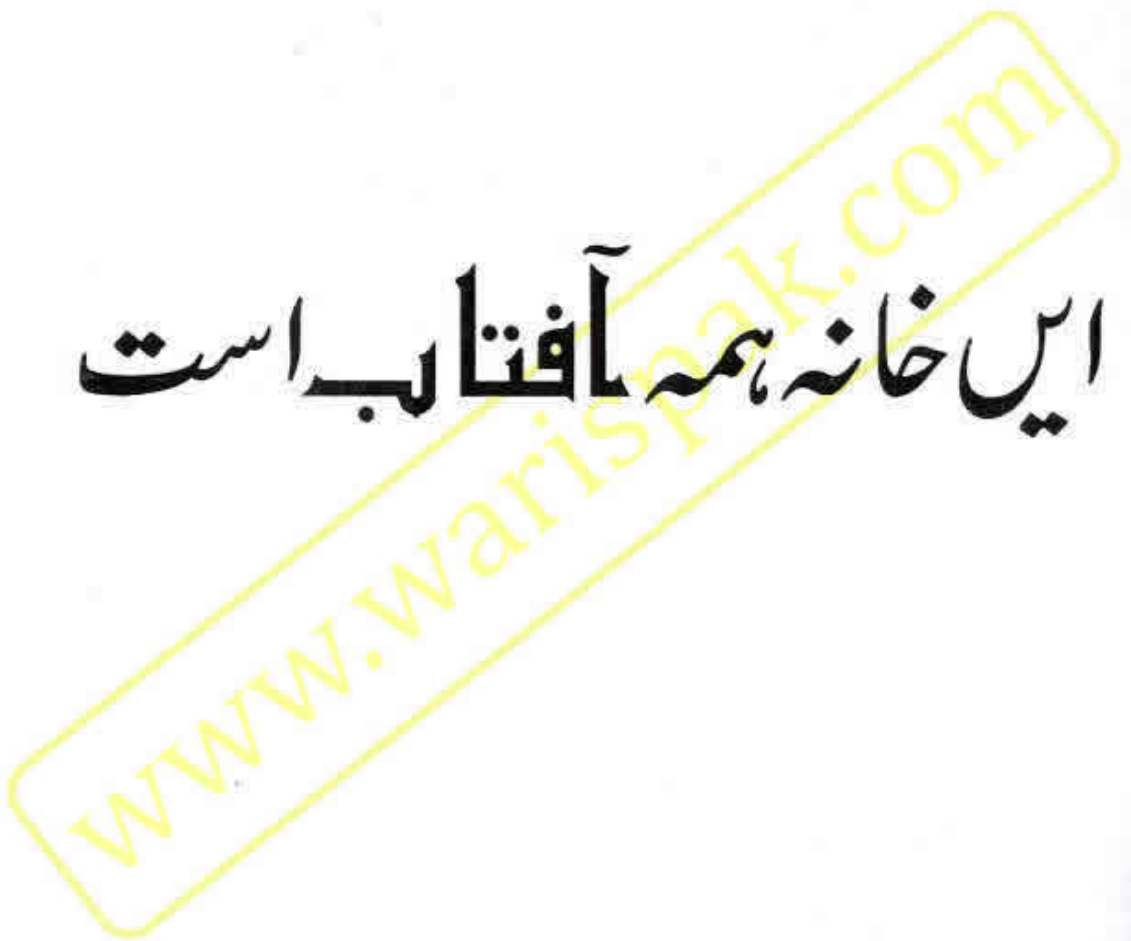
آفتاب ولایت کا نورانی نسب نامہ

آفتابِ ولایت----سیدنا وارثِ پاک کی والدہ ماجدہ آپ کے دادا جان کے حقیقی بھائی سید شیر علیؒ کی صاحبزادی تھیں کیونکہ آپ کے والدِ ماجد سید قربان علی شاہؒ کا عقد اپنے حقیقی چچا جان سید شیر علیؒ شاہ کی صاحبزادی سے ہوا تھا، اس طرح آپ سید سلامت علیؒ کے پوتے اور سید شیر علیؒ کے نواسے ہیں چنانچہ نجیب الطرفین سید ہیں۔

آپ کے بزرگوں نے ہمیشہ سے اپنی نجیب الطرفین سیادت کی ہر دور میں حفاظت کی، کنواری لڑکیاں بوڑھی ہو کر فوت ہو گئیں مگر غیر کفو میں شادی کرنا کسی طور برداشت نہ کیا گیا، حتیٰ کہ دوسرے خاندان کے سادات میں بھی شادی نہ کی، اس طرح اپنی کاظمی سیادت کی ہر حال میں پوری پوری حفاظت فرمائی چنانچہ آپ کا اچھوتا اور بے داغ شجرہ شریف درج ذیل ہے:۔

آفتابِ ولایت کا بے داغ شجرہ شریف

آفتاب ولایت حضرۃ حاجی سید وارث علی شاہ اعلی اللہ مقامہ

ابن سید قربان علی شاہ

ابن سید سلامت علی شاہ

ابن سید کرم اللہ

ابن میراں سید احمد

ابن سید عبدالاحد

ابن سید عمر نور

ابن سید زین العابدین

ابن سید عمر شاہ

ابن سید عبدالواحد

ابن سید عبدالاٰ دشاہ

ابن سید علاء الدین اعلیٰ بزرگ

ابن سید عزیز الدین

ابن سید اشرف ابی طالب

ابن سید محمد محروق

ابن سید ابوالقاسم

ابن سید علی عسکری

ابن سید ابومحمد

ابن سید محمد جعفر

ابن سید محمد مہدی

ابن سید علی رضا

ابن سید قاسم حمزہ (رحمھم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

ابن سید حضرۃ امام موسیٰ کاظمؒ

ابن سید حضرۃ امام جعفر صادقؓ

ابن سید حضرۃ امام محمد باقرؓ

ابن سید حضرۃ امام زین العابدینؓ

ابن سید الشھداء حضرۃ امام حسینؓ

ابن شیر خدا علی المرتضیٰؓ

زوج سیدۃ النساء حضرۃ فاطمہؓ بنت

حضرۃ سرورِ کائنات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کثیراً کثیراً۔

اس طرح ۲۹ واسطوں سے آپ کا سلسلۂ نسب سرکارِ دو عالم ﷺ سے جاملتا ہے۔

---☆---

خصوصاً شہنشاہِ وارث علی وہ عاشق کے عاشق ولی کے ولی
وہ نورِ نگاہِ علیؑ و بتولؑ فروغِ شبستانِ حسنِ قبول
وہ نوبادۂ گلشنِ پنجتنؑ خوشا یادگارِ حسینؑ و حسنؑ
عیاں ان کے چہرے سے با آب و تاب جمالِ نبیؐ ، شوکتِ بوترابؑ
وہ نورِ حقیقت وہ شمع کمال ید اللہ صورت ، محمدؐ جمال
وہ باعث ولایت کے اظہار کے
وہ وارث نبوت کے اسرار کے

(بے نظیر شاہ وارثی)

خاندانی حالات

۱۲۵۸ء/۶۵۶ھ میں ہلاکو خان نے خلیفہ مستعصم باللہ کی حکومت کو ختم کر کے بغداد کو تباہ و برباد کیا اور اطراف میں در آنے لگا چنانچہ شرفائے اسلام اپنی عزت و آبرو بچانے کی خاطر وطنِ عزیز کو چھوڑ کر دور دراز محفوظ مقامات کی طرف ہجرت کر گئے، اسی پُر آشوب دور میں ساداتِ کاظمی کے روشن چراغ -----حضرت مولانا سید اشرف ابی طالبؒ جو اپنے وقت کے شیخِ کامل تھے۔ بال بچوں کے ساتھ نیشاپور سے ہجرت فرما کر ہندوستان تشریف لائے اور ضلع بارہ بنکی (یو۔ پی) کے قصبے-----رسول پور-----میں آباد ہو گئے۔ چار صدی بعد آپ کے خاندان کے فخرِ ولایت-----حضرت سید عبد الاحدؒ رسول پور سے-----دیوہ----- چلے آئے اور اپنے سارے خاندان سمیت یہیں مستقل مقیم ہو گئے۔

اس چھوٹے سے قصبے میں حضرت کی تشریف آوری سے یہاں کے لوگ بہت خوش ہوئے کیونکہ آپ کی بزرگی و درویشی کی اطراف میں شہرت تھی چنانچہ یہاں رونق افروز ہوتے ہی قرآن و حدیث کا دور جاری ہو گیا اور آپ کی ذات والا صفات سے رشد و ہدایت کا نور پھیلنے لگا۔

۱۷۲۸ء میں آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایک فرزند عطا فرمایا جن کا نام میراں سید احمد رکھا گیا، انہوں نے آگے جا کر فقر و درویشی میں بڑی شہرت حاصل کی۔ ان کے صاحبزدے-----سید کرم علی تھے جن کے دو فرزند ہوئے-----سید سلامت علی اور-----سید قربان علی شاہؒ۔

(حیاتِ وارث از شیدا وارثی)

دلیل آفتاب

دلیلِ آفتاب

سرکار وارث پاک کی ولادت سے ایک مدت دراز پہلے بانسہ شریف میں اپنے وقت کے قطب الاقطاب----حضرت شاہ عبدالرزاق بانسوی.....دیوے شریف کی طرف منہ کر کے دعائیں مانگا کرتے تھے، اگر کوئی شخص پوچھتا تو آپ فرماتے:

''ادھر سے آفتاب ولایت طلوع ہوگا جس کی روشنی سے دنیا جگمگا اٹھے گی.......یہ آفتاب ہمیں میں سے ہوگا مگر اس کے طلوع ہونے میں ابھی بڑا وقت پڑا ہے۔''

اس واقعہ کے ایک عرصۂ دراز کے بعد اپنے وقت کے بڑے صاحب کمال بزرگ حضرت میراں سید احمد ۱۷۲۸ء/۱۱۴۱ھ اپنے یاران طریقت کے ساتھ دیوے شریف میں ایک تالاب کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے-----ادھر سے ایک فقیر روشن ضمیر کا گذر ہوا، اس نے خوش خبری سنائی۔

''میراں سید احمد! مبارک ہو تمہاری پانچویں پشت میں ایک ایسا آفتابِ ولایت طلوع ہوگا جس کی روشنی سے زمین وآسمان منور ہو جائیں گے۔''

اس کے بعد زمانہ ماضی قریب کا واقعہ ہے کہ----شیخ الشیوخ مولانا شاہ نجات اللہ قدس سرہ العزیز (سرکار وارثِ پاک کے دادا جان) دیوے شریف کی طرف سینہ مبارک کھول کر اکثر فرمایا کرتے تھے کہ:

''میں اس آفتاب کی روشنی سے اپنے سینے کو منور کر رہا ہوں جو عنقریب طلوع ہونے والا ہے۔''

ان مسلسل بشارتوں کے بعد ۱۸۲۲ء میں لکھنؤ میں شاہ فتح علی نام کے ایک درویش نے اپنے ایک مرید سے کہا کہ:

''خدا بخش اس وقت دیوے میں ایک بچہ پیدا ہوا ہے جو ولی ہے، جب یہ بڑا ہوگا تو اس کی شہرت مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک پھیل جائے گی۔''

(حیاتِ وارث از شیداوارثی)

؎ یہ آفتاب کی سیرت یہ روشنی کا ضمیر
یہ صبح شام کے ماتھے پہ زندگی کی لکیر

آفتاب آمد

آفتاب آمد

یکم رمضان المبارک ۱۲۳۸ھ/۱۸۲۲ء میں دیوے شریف کے اندر حکیم حافظ قاری سید قربان علی شاہ صاحبؒ کے یہاں وہ روشن آفتاب طلوع ہوا جس کی مبارک پیدائش کی پیشین گوئیاں اگلے وقتوں کے بزرگان کرتے آئے تھے، نام پاک ----وارث علی----رکھا گیا

ع چوں آمد شہِ مجموعۂ فیض
ملک گفت سالش "چشمہ فیض" ۱۲۳۸ھ

حالات رضاعت

ع یہ کس مہکے ہوئے رنگین گل کا تذکرہ نکلا
کہ عطر و مشک و عنبر سے بھرا گنج دہن میرا

حسینیؓ باغ کا یہ حسین پھول یکم رمضان المبارک کو کھلا تھا اس لئے سارے ماہِ مبارک کبھی اس نومولود نے دن میں دودھ نہ پیا اور نہ ہی بھوک سے بے تاب ہو کر رویا چلایا بلکہ نہایت صبر و سکون سے سحری کے وقت سے لے کر افطار کے وقت تک بغیر دودھ کے رہا۔ غرضیکہ عید آئی بچے نے دن میں دودھ پیا مگر پھر بھی عام بچوں کی طرح گھبراتے ہوئے جلدی جلدی نہیں بلکہ نہایت صبر و سکون کے ساتھ اور عام بچوں کی خوراک کے مقابلے میں مقدار میں بہت کم! اس کے علاوہ نہ کبھی بے وضو ماں کا دودھ پیا اور نہ کبھی مقررہ وقت کے علاوہ دودھ کی طرف رغبت کی ----نیند اول تو آتی ہی بہت کم تھی، اس پر بھی کبھی غفلت کی نیند سوتے نہیں دیکھا گیا اور جب جاگتا تو ہمیشہ ہنستا کھیلتا ہوا اُٹھتا، عام بچوں کی طرح کبھی اسے روتا بسورتا بھی نہ دیکھا گیا بلکہ اکثر خاموش خاموش پایا گیا----کسی گہرے خیال میں گم----آنکھوں میں انتظار کی کیفیت!

سنتِ یتیمی ویسیری

ابھی ننھے کی عمر صرف دو سال تھی کہ شفیق باپ حضرت سیدنا قربان علی شاہ صاحب کا وصال ہو گیا----- لیجئے اس طرح اس چھوٹی سی عمر میں نانا جان کی سنتِ یتیمی بھی پوری ہو گئی!

غمزدہ ماں نے دُرِ یتیم کو سینے سے لگایا اور اسے اپنی بیوگی کا سہارا بنایا----- بچہ دن بھر ہمکتا رہتا----- رات کو چاند تاروں میں قدرت کے کرشمے دیکھ کر مسکرا دیتا----- ماں بچے کو گود میں اُٹھا لیتی----- پیار کرتی اور اپنی آغوشِ محبت میں چھپا لیتی----- آخر معشوق حقیقی کی غیرتِ عشق کو یہ بھی گوارا نہ ہوا کہ ہمارا عاشق کسی اور سے محبت بڑھائے----- چنانچہ تین سال کی ننھی سی عمر میں پیاری ماں کا بھی ساتھ چھوٹ گیا! (تعارف مؤلفہ بیدؔم وارثی)

عہدِ طفولیت

ماں کی رحلت کے بعد دادی صاحبہ نے یتیم ویسیر کو اپنے گلے کا ہار بنایا----- عمر شریف ۵ سال کی ہوئی تو بڑے چاؤ سے بسم اللہ شریف پڑھوائی----- مولوی صاحب گھر پر باقاعدہ آنے لگے مگر مٹھن میاں (وارثِ پاک کا عرف) کھانے پینے کی چیزیں دے کر استاد صاحب کو کھیل میں لگا لیتے----- استاد صاحب بھی بچے کے ساتھ بچہ بن جاتے، جب مولوی صاحب چلے جاتے تو مٹھن میاں باہر آتے اور اپنے ہم عمر لڑکوں کو کھیل ہی کھیل میں محبتِ الٰہی کا درس دیتے (سبحان اللہ! مولوی صاحب کو کھلانا اور کھیلتے ہوئے بچوں کو پڑھانا آپ ہی کا حصہ تھا)

اکثر دادی جان کے صندوقچے میں سے روپے نکال لاتے اور وعظ و نصیحت سننے والے لڑکوں کو شیرینی کھلاتے، بقیہ رقم غریبوں فقیروں میں تقسیم فرما دیتے اکثر گھر سے غائب ہو جاتے تو گھر والوں کو فکر لاحق ہو جاتی، پھر خود ہی واپس آ جاتے۔

ایک روز تنگ آ کر دادی صاحبہ نے آپ کو کوٹھڑی میں بند کر دیا لیکن

گر کیا ناصح نے ہم کو قید اچھا یوں سہی
یہ جنونِ عشق کے انداز چھٹ جائیں گے کیا

چنانچہ کچھ ہی دیر بعد آپ بند کوٹھڑی سے غائب ہو گئے، جب تلاش کی گئی تو ایک باغ میں کھیلتے ہوئے ملے۔

ع "کھیل تھا ان کا یہ لڑکپن کا!"

کبھی کبھی آپ کی آنکھیں اس قدر سرخ ہو جاتیں کہ آنسو نکل آتے جس سے گمان ہوتا کہ آنکھیں شائد دکھنے آ گئی ہیں لیکن پھر کچھ ہی دیر بعد بدستور ٹھیک ٹھاک نظر آنے لگتیں، لوگ حیرت زدہ ہو جاتے!

تعلیم و تربیت

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسمٰعیل کو آدابِ فرزندی

گھر پر ابتدائی تعلیم کے بعد علوم مروجہ کی تحصیل کے لیے دادی جان نے آپ کو اپنے پیرو مرشد حضرت امیر علی شاہ صاحبؒ کے پاس بھیجا جو کنز المعرفت----- حضرت شاہ ولایت محمد عبدالمنعم قادریؒ کے سجادہ نشین تھے----- استادِ کامل نے اپنے ہونہار شاگرد کو دیکھا تو فرمایا:

"یہ صاحبزادے تو خلقِ خدا کے رہنما ہوں گے اور تمام عالم میں ان کا ڈنکا بجے گا۔"

غرضیکہ آپ مکتب میں جانے لگے مگر عام بچوں کی طرح آپ کلامِ پاک کو بغل میں نہ دباتے بلکہ اپنے سر پر رکھ کر لے جاتے اور پھر اسی طرح مکتب سے مکان تک نہایت ادب و احترام سے قرآنِ پاک کو سر پر رکھے ہوئے واپس آتے----- گھر واپس آتے تو کسی گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر کسی گہرے خیال میں ڈوب جاتے۔

پھر بھی آپ نے صرف دو سال کے اندر پورا کلامِ پاک حفظ کر لیا اور کچھ ابتدائی کتابیں بھی پڑھ لیں، اس کے بعد کی تعلیم کے لئے آپ کو علامہ امام علی صاحبؒ کی خدمت میں بھیجا گیا

-----مگر خود علامہ صاحب کا یہ عالم تھا کہ اپنے اس شاگرد کو آتا دیکھتے تو ادب سے کھڑے ہو جاتے اور تعظیم بجالاتے-----مٹھن میاں روکتے تو فرماتے۔ ''صاحبزادے میں تو ظاہری علوم کا استاد ہوں مگر تم خلقِ خدا کو باطنی علوم سے مالا مال کرو گے۔''

ابھی آپ کی عمر شریف بمشکل ۷/۸ سال ہوگی کہ محبِّ صادق کو اپنی محبت میں دادی جان کے پیار کی شرکت بھی منظور نہ ہوئی چنانچہ محبت شفقت کا یہ سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔

کفالت

دادی صاحبہ کے وصال کے بعد دنیا میں بڑی بہن کے علاوہ اور کوئی چاہنے والا نہیں رہ گیا تھا جن کے شوہر حضرت خادم علی شاہ اپنے وقت کے کامل بزرگ اور حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے شاگرد رشید تھے، قیام لکھنؤ میں تھا اس لیے بزرگ بہنوئی .... مٹھن میاں کو دیوے سے اپنے ساتھ لکھنؤ لے آئے اور اعلیٰ تعلیم کے لیے آپ کو فرنگی محل میں داخل کرا دیا۔

یہاں آپ سے حیرت انگیز کرامتیں سرزد ہونے لگیں جس کے سبب خود اساتذہ آپ کا ادب کرتے تھے-----ایک دن ایک معلم صاحب نے حضرت خادم علی شاہ صاحب سے عرض کیا کہ:

''آپ نے ایک شیر کو میرے سپرد کر دیا ہے، ان صاحبزادے کے کرشمے حیرت انگیز ہیں، اس لڑکپن میں جو کرامتیں آپ سے ظاہر ہوتی ہیں وہ کامل بزرگوں سے بھی کم دیکھنے میں آتی ہیں۔ پڑھائی کا یہ عالم ہے کہ صاحبزادے پڑھے پڑھائے پیدا ہوئے ہیں، میری رائے میں زیادہ تعلیم کی انہیں ضرورت نہیں۔''

لیکن حضرت خادم علی شاہ صاحبؒ پھر بھی برابر پڑھواتے رہے اور خود بھی تربیت کرتے رہے اس طرح آپ نے تفسیر و حدیث میں کافی دستگاہ بہم پہنچائی-----لیکن تعلیمی ترقی کے ساتھ ساتھ جوشِ عشق الٰہی میں بھی روز افزوں اضافہ ہوتا گیا-----حتیٰ کہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہر وقت ہی وجدانی کیفیت طاری رہنے لگی، اکثر ویرانوں میں نکل جاتے اور یاد الٰہی میں غرق ہو جاتے آخر کوئی تلاش کرتا ہوا ان تک پہنچ جاتا اور مراقبے سے چونکا دیتا----- جیسے کوئی بچہ کچی

نیند سے جاگ اٹھے----چنانچہ بیقراری کچھ اور بڑھ جاتی، آخر لوگ دیوانہ خیال کرنے لگے جب آپ کی بہن نے یہ سنا تو بے قرار ہوگئیں اور اپنے صاحبِ باطن شوہر سے بولیں۔

''اب تو یہ سن سن کر میرا کلیجہ پھٹنے لگا ہے کہ مٹھن میاں کی دماغی حالت ٹھیک نہیں ----پہروں جنگل میں کہیں گم سم بیٹھے رہتے ہیں، اگر واقعی ان کے ہوش وحواس درست نہیں تو آپ ان کے لیے دعا فرمایئے۔''

یہ سن کر حقیقت آشنا شوہر کا ارشاد ہوا:

''تم اس قسم کی باتوں کا کچھ خیال نہ کرو، جو لوگ مٹھن کو پاگل سمجھتے ہیں وہ خود پاگل ہیں، یہ صاحبزادے پیدائشی ولی ہیں اور دنیا کے ہنگاموں سے بھاگ کر حق کی تلاش میں رہتے ہیں، بہت جلد ایسا وقت آنے والا ہے جب بڑے بڑے ہوشیار ان کی دیوانگی کا بھرم بھریں گے۔''

ہر کہ دیوانہ بود در ذکرِ حق
زیر پائش عرش و کرسی نہ طبق

سب سے حیرت کی بات یہ ہے کہ کیف و مستی کے اس دور میں بھی آپ کے تمام اعمال وافعال سنتِ رسول ﷺ کے عین مطابق سرزد ہوا کرتے تھے۔

بیعتِ طریقت

حضرت حاجی خادم علی شاہ صاحب نے مٹھن میاں کی طبیعت میں عشقِ الٰہی کا جب زیادہ جوش وخروش دیکھا تو آپ کو----باقاعدہ بیعت کر کے سلسلۂ قادریہ چشتیہ میں داخل فرما لیا۔

ابھی آپ کی عمر شریف صرف گیارہ سال ہوئی تھی کہ پیرِ روشن ضمیر نے اپنے کمسن مرید کے اعلیٰ روحانی مقامات دیکھ کر آپ کو خلعتِ خلافت سے نواز دیا----اس پر بعض عمر رسیدہ مریدوں کو اختلاف بھی ہوا مگر وہ نہیں جانتے تھے کہ آپ مرید نہیں بلکہ اپنے پیر کی مراد ہیں۔

سید خادم علی شاہ صاحب اب بیمار رہنے لگے تھے، سن شریف بھی ستر سال کے قریب

پہنچ رہا تھا، عمر کے اس آخری حصے میں مرشد کامل نے اپنے مریدِ باصفا پر اس قدر بارشِ لطف و کرم فرمائی کہ گلشنِ ولایت میں بہار آگئی ----- معرفت کا گلاب مہکنے لگا۔

ے دل میں سما گئی ہیں قیامت کی شوخیاں
دو چار دن رہا تھا کسی کی نگاہ میں

ایک دن حضرت خادم علی شاہ صاحب کی عیادت کے لیے قطبِ وقت حضرت حافظ اکبر شاہ صاحب مدنی تشریف لائے ----- ایک نظر مٹھن میاں پر جو پڑی تو جھومنے لگے ----- پھر اٹھے، آنکھوں کو چوما ----- پیشانی کو بوسہ دیا اور فرمایا:

''اگر آسمان ہزار بار چکر کھائے اور زمین تا قیامت گردش کرے تب بھی ایسا پاک باطن اور نیک خصلت انسان پیدا نہ ہو سکے ----- یہ لڑکا انسان کے قالب میں فرشتہ ہے اور جسمِ خاکی میں سراپا نورِ خدا ہے۔''

زہے نورِ مجسم مظہرِ ذات خدا وارث
جمالِ صورت احمد جلالِ مرتضیٰ وارث
محمدؐ کے، علیؓ کے، فاطمہؓ، حسنینؓ کے پیارے
دو عالم میں تمہیں ہو والیِ آلِ عبا وارث!

نامِ خدا اب آپ کی عمر تیرہ سال ہو چکی تھی، پیر و مرشد کا کام بھی اب ختم ہو چکا تھا چنانچہ ۱۴ صفر المظفر ۱۲۵۳ھ/۱۸۳۷ء بروز دوشنبہ حضرت حاجی خادم علی شاہ کو ربِ تعالیٰ نے اپنے پاس واپس بلالیا، اس موقع پر نواب اودھ کی جانب سے سات ضرب توپ کی سر کی گئیں جس سے شہر بھر میں حضرت کے وصال کا اعلانِ عام ہو گیا -----

دستارِ خلافت

تیسرے روز سوئم کی فاتحہ کے بعد نواب اودھ کے داروغۂ کارخانہ جات ----- مولوی منا جان صاحب نے چاندی کے طشت میں سنہری دستار رکھ کر اس مجلس میں مشائخ وقت

کے سامنے پیش کی اور عرض کی کہ جو آنحضرت علیہ الرحمۃ کا جانشینِ خاص اور اس دستارِ فضیلت کا حقدار ہو اسے یہ امانت سونپ دی جائے تا کہ اس کی پیروی سب پر لازم آئے چنانچہ اس عہد کے قطب الاقطاب حضرت اکبر شاہ صاحب اور دیگر مشائخ عظام کے باہمی مشورے سے سید سعادت علی نبیرۂ غوث گوالیاریؒ اپنی جگہ سے اٹھے اور تین بار سورۂ فاتحہ پڑھ کر بسم اللہ کر کے دستارِ مبارک کو سید وارث علی شاہ صاحب کے سرِ اقدس پر سجا دیا۔

ع ملک گفت احسن فلک گفت زہ

اس مبارک موقع پر نواب اودھ کی جانب سے سات ضرب توپ سلامی کے طور پر سر کی گئیں اس وقت آپ کی عمر شریف صرف ۱۴ سال تھی کہ سلسلۂ بیعت بھی جاری ہو گیا۔

ے رام ملن کا لیکھا سن لے ، ہاتھ گرو کا تھام
جگ ممتا من سے چھوٹے ملیں گے اوگھٹ رام

الغرض دستار بندی کے بعد جب مکان میں قوالیاں ہونے لگیں تو سرکارِ عالم نواز محفل سے اٹھ کر چلے آئے-----ابھی تھوڑی دیر پہلے جو چیزیں ملی تھیں وہ باہر آ کر تقسیم کر دیں۔ بچپن کے ایک ہمجولی نے کہا ''ایسے میں تو کباب کھانے کو جی چاہتا ہے'' -----آپ نے سنا تو فوراً مولا بخش سے کباب لے کر دوست کو دیئے۔ کبابچی نے قیمت طلب کی تو بدلہ میں قیمتی دستار سر سے اتار کر کبابچی کے حوالے کی اور یوں سبک بار ہو کر چلتے بنے گویا دونوں بوجھ اتر گئے -----دراصل آپ رسمی شان و شوکت کے قائل ہی نہ تھے چنانچہ فرماتے تھے۔

''پگڑی وگڑی جھگڑا ہے-----ہم نہیں جانتے!''

سچ ہے عشق تمام رسمی بندھنوں سے آزاد ہوتا ہے۔

ے کایا کی ممتا تجو اور اپنی سدھ بسراؤ
موہن مرلی آن سنائیں ایسا دھیان جماؤ

(اوگھٹ شاہ وارثی)

شجرہ شریف

پڑھو اس کو جو پھلنے پھولنے کی دل میں حسرت ہے
شجر میں گل ہیں ،گل میں بو ہے بو میں فیضِ رحمت ہے

شجرہ قادریہ وارثیہ

یا خدا بہرِ محمد مصطفیٰؐ و مرتضٰیؓ ‏ ہم حسینؓ و عابد و باقر چو جعفر مقتدا
کاظم وموسٰے رضا،معروف وسقطی نامدار ‏ ہم جنید وشبلی و ہم عبدِواحد ذی وقار
بوالفرح ہم بوالحسن ہم بوسعیدِ محترم ‏ غوث الاعظم عبدِ رزاق ومحمد ذی کرم
احمد و سید علی موسیٰ حسن عباس مست ‏ ہم بہاؤالدین وہم سید محمد حق پرست
ہم جلال و ہم فرید و بہر ابراہیم شاہ ‏ بہرِ ابراہیم امان اللہ حسینِ دیں پناہ
ہم ہدایت ہم صمد ہم عبد الرزاق ولی ‏ شاہِ اسمٰعیل و شاکر ہم نجات اللہ سخی

از پئے خادم علی ہم وارثِ دنیا و دیں
المدد شاہا توئی واللہ رب العالمین

شجرہ چشتیہ وارثیہ

ربنا بہر محمد مصطفیٰ و مرتضٰی ‏ ہم حسن ہم عبدِ واحد ہم فضیلِ با صفا
بہر ابراہیم ادہم ،ہم حذیفہؓ مرعشی ‏ ہم امین الدین ابو اسحاق و احمد متقی
بہر شاہِ بو محمد ناصر دیں ذی وقار ‏ از پئے سلطانِ مودود و شریف راز دار
بہرِ عثمان و معین الدین قطب الدیں ولیؒ ‏ ہم فرید الدیں نظام الدیں نصیر الدیں سخی
ہم کمال الدیں سراج الدیں علم الدین شاہ ‏ بہرِ محمودِ جما ل الدیں محمد دین شاہ
ہم محمد بہرِ یحیےٰ ہم کلیم حق پرست ‏ ہم نظام الدین فخر الدیں جمال الدین مست

ہم عباد اللہ بلند و خادمِ عالم پناہ
بہرِ لطفِ خویش کن اے وارثِ ما یک نگاہ
(اوگھٹ شاہ وارثی)

سیر و سیاحت

سیروافی الارض

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے
ہزار ہا شجرِ سایہ دار راہ میں ہیں!

حضرت وارث علی شاہ صاحبؒ کی عمر اب پندرہ سال ہو چکی تھی، شفیق بہنوئی کے وصال کو بھی ایک مہینہ گذر چکا تھا، اب وطن میں ان کا دل نہیں لگ رہا تھا----- آپ حج پر جانے کی سوچ ہی رہے تھے کہ اتنے میں پیر و مرشد نے خواب میں ہدایت کی کہ:

''تم سفر اختیار کرو''

چنانچہ آپ نے گھر کا سارا سامان غرباء میں تقسیم کر دیا اور آبائی جائیداد رشتہ داروں میں بانٹ دی، اس کے بعد مالکانہ حقوق کے سارے کاغذات لیجا کر تالاب میں غرق کر دیئے، اس طرح دنیا کے جھمیلوں سے چھٹکارا حاصل کر کے سفرِ حج پر تن تنہا پیدل روانہ ہو گئے، اللہ اکبر

سورج جیسا دل ہے اس کا
پربت جیسی ہمت اس کی

اٹاوے میں تشریف آوری

اناؤ، کانپور----- ہوتے ہوئے----- اٹاوے----- میں تشریف لائے، اور پٹھانوں کے محلّہ کٹرہ شہاب خاں میں مختصر قیام فرمایا----- جہاں آپ ٹھہرے تھے وہاں آج عظیم الشان آستانۂ وارثیہ بنا ہوا ہے، یہاں ہر سال اعلیٰ پیمانے پر عرس وارث منعقد ہوتا ہے۔ یہی وہ

جگہ ہے جہاں عین نوجوانی کے عالم میں حضرت ابوالحسن شاہ صاحبؒ سرکار وارث پاکؒ کے مرید ہو کر عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے تھے، بارہ سال کے روزے اس شان سے رکھے کہ ایک لونگ سے افطار فرماتے اور پانی پی کر پھر روزہ رکھ لیتے، موصوف سے سلسلۂ وارثیہ کی خوب اشاعت ہوئی-----اسی آستانہ میں آپ کا مزارِ اقدس ہے-----عشقِ وارث میں سرشار ہو کر آپ کلام موزوں فرماتے تھے۔

آج پھر ان کے نظارے ہو چکے　　خوب در پردہ اشارے ہو چکے
خوب تشہیرِ زمانہ ہم ہوئے　　در بدر قصے ہمارے ہو چکے
اب ہمارا کیا کرے گا اے فلک　　ہم تو وارث کے دلارے ہو چکے
بوالحسن جن کو دیا ہے تو نے دل　　شکر ہے وہ بھی تمہارے ہو چکے

حضرت بیدم شاہ وارثی

اٹاوے کے قیام کے دوران سرکار وارث پاک نے ایک اور عاشق مزاج کو تاڑا-----وہ شاعرِ رنگیں بیان تھا اور کسی کا عاشقِ جانباز بھی!-----سرکار عالم پناہ نے اسے دیکھا اور ایک ہی ونظر میں اس کے عشقِ مجازی کو عشقِ حقیقی میں بدل دیا-----پھر بعد میں دیوے بلایا اور صرف سترہ سال کی عمر میں احرام عطا فرما کر فقیری کی سند دے دی، اس وقت سینے سے لگا کر پشتِ بیدم پر سرکار نے اپنا نورانی ہاتھ جو رکھا تو مہرِ درویشی کے طور پر اس جگہ ایک نشان ابھر آیا جو ساری عمر سند کے طور پر نمایاں رہا۔

آخر بیدم نے عشقِ وارث میں اپنا وطن چھوڑ کر یار کا دیار دیوہ بسایا اور عشقِ حقیقی کا وہ راگ سنایا کہ جس کی آواز سے برِصغیر کی فضائیں اب تک گونج رہی ہیں چنانچہ کلامِ بیدم کو وہ شہرتِ دوام اور قبولِ عام حاصل ہوا کہ آج بھی ہندو پاک میں کوئی محفل سماع کلامِ بیدم سے خالی نہیں ہوتی، حقیقت یہ ہے کہ بیدم کا کلام-----بادشاہِ سخن-----حضرت امیر خسرو کے کلام بلاغت نظام سے لگا کھاتا ہے:۔

خسروؔ نجام کے بل بل جیئے موہے سہاگن کینی
موسے نینان ملا کے
وارث آپ بنے من موہن موہے بیدمؔ کر دینی
موسے نینان ملا کے

الغرض تمام عمر دیارِ یار میں گزار کر آستانہ یار پر بیدم نے دم دے دیا----اس طرح عاشقِ زار نے اپنا کہا سچ کر دکھایا۔

؎ اِسی خاکِ آستاں پر کسی دن فنا بھی ہو گا
کہ بنا ہوا ہے بیدمؔ اسی خاکِ آستاں سے

غرضیکہ شہرِ اٹاوے میں بارشِ رحمت برسا کر سرکار وارثِ پاک، مین پوری ہوتے ہوئے شکوہ آباد پہنچے-----!

شکوہ آباد میں قیام

؎ ذکرِ فردوس پہ رہ رہ کے خیال آتا ہے
وہ محبت کی نگاہوں کا تصادم تو نہیں

شکوہ آباد کے رئیس-----شیخ چاند صاحب (تمباکو والے) اپنے چچا جان کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھ کر واپس آ رہے تھے-----ان کا بیان ہے کہ تالاب کے کنارے-----ایک فرشتہ صورت نوجوان کو ہم نے بیٹھے دیکھا-----قریب پہنچے تو چچا صاحب کا نام لے کر انہوں نے استقبال کیا-----نظریں جو چار ہوئیں تو نہ معلوم ان آنکھوں میں چچا صاحب نے کیا دیکھا کہ قدموں میں گر پڑے۔

؎ پہلی نظر وہ آپ کی اُف کس بلا کی تھی
ہم آج تک وہ چوٹ ہیں دل پر لئے ہوئے

سرکاروالا نے چچا صاحب کو اُٹھایا-----تسلی دی-----اور فرمایا:

''تم تو ہمارے ازل سے مرید ہو!''

رحمت کی بارش دیکھ کر میں نے عرض کی:۔

''حضور میں؟''

مسکرا کر فرمایا:۔

''آؤ تم بھی مرید ہو جائے!''

اس کے بعد سرکار ہماری التجا پر مکان پر تشریف لے آئے۔اب جو شخص آپ سے ملنے آتا، خدا جانے کیا دیکھتا کہ ایک ہی نظر میں گرفتار ہو کر مرید بن جاتا۔

حضرت ناصح چلو نہ اس کی بزمِ ناز تک !!
یہ تو ہم خود بھی نہ سمجھے مبتلا کیوں ہو گئے

آپ جسے مرید کرتے اُسے کچھ نہ کچھ نصیحت ضرور فرماتے تو نوجوانوں کو حکم دیتے کہ:

''ماں باپ کی خدمت سے غافل نہ ہونا''

حکام سے فرماتے:

''صاف رہنا چاہئے!-----صاف رہنا چاہئے!
اگر کوئی لاکھ روپے دے تو پیشاب کر دے، لعنت بھیجے-----!''

کسی پولیس والے کو مرید کرتے تو ہدایت فرماتے:

''اب رشوت نہ لینا، خدا مالک ہے۔''

درزی مرید ہوتا تو تلقین فرماتے:

''اب کپڑا چوری نہ کرنا''

غرضیکہ جس کی جیسی حالت ہوتی اس کے حسب حال تلقین فرماتے-----اللہ کا کرم اس قدر شاملِ حال تھا کہ نصیحت کے ساتھ ساتھ توفیقِ الٰہی بھی شامل ہو جاتی تھی -----چنانچہ

اسی سلسلے کا ایک واقعہ ہے کہ شکوہ آباد کے ایک رئیس اعظم مولوی احسان الٰہی صاحب دولت کو سینت سینت کر رکھا کرتے تھے، سرکارِ عالی سے مرید ہوئے تو ان کو نصیحت فرمائی گئی کہ:

''مخلوقِ خدا کی خدمت کرنا ایمان کی نشانی ہے!''

یہ الفاظ سرکار کی زبانِ حق سے نکلے ہی تھے کہ رئیس اعظم پر ایسا اثر ہوا کہ اپنی کل جائیداد غریبوں میں تقسیم کر کے بیت اللہ شریف کی راہ لی، آخر وہیں اللہ اللہ کرتے کرتے اللہ کو پیارے ہو گئے!

؎ مر کے ہم خاکِ راہِ یار ہوئے
سرمۂ چشمِ اعتبار ہوئے

من تو شدم تو من شدی

سرکار وارثِ پاک شکوہ آباد میں رونق افروز تھے کہ----- چودھری خدا بخش صاحب شرفِ ملاقات کرنے حاضر ہوئے، اس وقت انہیں بتایا گیا کہ کوئی شخص مرید ہو رہا ہے----- وہ باہر بیٹھ گئے، تھوڑی دیر بعد انہوں نے دیکھا کہ حضرتِ والا باہر تشریف لائے چنانچہ چودھری صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں تعظیم کے لئے کھڑا ہو گیا مگر وہ بہت جلد گزرتے ہوئے باہر چلے گئے----- اتنے میں خادم نے مجھ سے کہا کہ

''اندر چلئے، حضرت طلب فرماتے ہیں''

میں حیران ہوا کہ ابھی تو میں نے حضرتِ والا کو باہر جاتے ہوئے دیکھا ہے، اس عالمِ حیرت میں ڈوبا ہوا حاضر خدمت ہوا تو آپ مسکرا کر فرمانے لگے:

''ابھی ایک شخص مرید ہو کر باہر گیا ہے----- جو شخص ہم سے مرید ہوتا ہے اسے ہم اپنا سا بنا لیتے ہیں----- پھر اس کا فعل اور اس کی قسمت ہے جو صورت چاہے اختیار کرے۔''

؎ اوگھٹ چیلا وہی گنی جو بن گرو تجے نہ سانس
سوتے جاگتے دھیان رہے گرو کو راکھے پاس

-----یہیں شکوہ آباد میں ایک دن منشی تہور علی صاحب دستِ بیعت سے مشرف ہوئے -----دوسرے دن ایک نوجوان جس کا نام-----طالب حسین تھا، مرید ہونے آیا، -----جب مرید ہو چکا تو زار و قطار رونے لگا، سبب پوچھا تو بتایا کہ میں منشی تہور علی صاحب کی بیٹی پر عاشق ہوں اور اپنی غربت کے سبب شادی کا پیغام دینے کی جرأت نہیں کر سکتا، وہ آپ کے غلام ہیں، اگر آپ حکم فرما دیں گے تو وہ کبھی نہ ٹالیں گے۔ آپ نے طالب حسین سے پوچھا:

''تم صرف شادی کی غرض سے مرید ہوئے ہو؟''

طالب حسین سچے طالب تھے، کہنے لگے:

''ہاں میں اسی کو اپنی معراج سمجھتا ہوں!''

خیر اس وقت تو انہیں رخصت کر دیا، دوسرے دن منشی تہور علی آئے، تنہائی پا کر اپنائیت ظاہر کرتے ہوئے بولے:

''حضور! آپ ناتجربہ کار ہیں، اتنا لمبا سفر، اس بے سروسامانی کے ساتھ اس عمر میں اختیار کرنا کسی طرح مناسب نہیں، آپ یہیں رہائش اختیار فرمائیں اپنی بیٹی کی شادی میں آپ سے کر دوں گا، میری ساری جائیداد کے آپ ہی مالک و مختار ہوں گے۔''

یہ سن کر سرکارِ عالی کو ہنسی آئی کہ یہ نصیحت کرنے والے خوب ملے!-----مگر منہ سے کچھ نہ بولے، خاموش رہے-----وہ سمجھے کہ راضی ہیں-----لہٰذا گھر جا کر لڑکی کو مانجھے بٹھا دیا -----اور شادی کا سامان مکمل کر لیا -----جب سرکار والا کی روانگی کی خبر سنی تو بھاگے ہوئے آئے -----اور کہنے لگے کہ ''اب آپ کہاں جاتے ہیں؟'' حضرت نے سمجھایا کہ -----''ہماری شادی وادی کا خیال نہ کرو۔''

وہ بولے -----''اب کیا ہو سکتا ہے-----لڑکی مانجھے بیٹھ چکی ہے----- میری عزت کا سوال ہے''-----اس پر آپ نے فرمایا ''منشی صاحب اگر شادی ہی کرنا ہوتی تو ہم گھر سے کیوں نکلتے؟''

یہ سن کر سخت پریشان ہوئے اور کہنے لگے کہ: ''اب کیا کروں؟'' آپ نے فرمایا ''اب یہی ہوسکتا ہے کہ لڑکی کی شادی طالب حسین سے کردو۔'' آخر منشی صاحب نے ایسا ہی کیا، طالب حسین سچے عاشق تھے ----- اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے اس کے بعد سرکارِ والا فیروز آباد روانہ ہوگئے۔

فیروز آباد میں تشریف آوری

یہاں آپ کی تشریف آوری کی خبر پہلے ہی پہنچ چکی تھی، صبح ہی سے استقبال کے لئے سینکڑوں آدمی شہر کے باہر راستوں پر جمع ہونے لگے تھے، مغرب کے وقت دیکھا کہ ----- آفتاب ولایت طلوع ہورہا ہے جس کی لازوال روشنی سے دلوں میں اجالا ہوگیا چہروں پر چمک آ گئی ----- خوشی میں مست ہوکر لوگ پروانہ وار قدموں میں گرنے لگے، راستے ہی میں فیضِ بیعت لٹاتے ہوئے آپ حکیم امجد علی خاں صاحب کے مکان پر جلوہ افروز ہوئے ----- یہاں سب اہلِ خانہ کو مرید کر کے آپ نے فرمایا:

''اللہ پاک نے جس طرح کسی کے مشورے کے بغیر سب کو پیدا فرمایا ہے اسی طرح کسی کی سفارش کے بغیر سب کو روزی پہنچاتا ہے، اس لئے ہم کو لازم ہے کہ اسی کی ذاتِ کامل پر بھروسہ کریں اور کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائیں۔''

؎ غیرت ہے طریقتِ حقیقی
غیرت سے ہے فقر کی تمامی (اقبال)

غرضیکہ فیروز آباد میں فیضِ روحانی لٹاتے ہوئے آپ پیدل ہی آگرہ کی طرف روانہ ہوگئے۔

آگرہ میں ورودِ مسعود

حافظ گلاب شاہ اپنی طالب علمی کے زمانہ میں اپنے ایک ہم مکتب کے شوق دلانے پر کہیں مرید ہونا چاہتے تھے، اسی دوران خواب میں ایک خضر صورت بزرگ نے بشارت دی کہ:

''تمہارا پیر تو پورب سے آئے گا، انتظار کرو''۔

آج پھر وہی بزرگ عالم خواب میں تشریف لائے اور خوشخبری سنائی کہ:

''حقیقی مرشد آچکے ہیں، شہر کی سرائے میں ٹھہرے ہوئے ہیں فوراً جاکر تلاش کرو''۔

آنکھ کھلی تو طبیعت بے قرار تھی -----اسی وقت گھر سے نکلے اور سیدھے سرائے پہنچے----- ہر ایک کمرے میں جھانک کر دیکھا مگر اندھیرا تھا......اسی جستجو میں تھے کہ ایک کمرے سے آواز آئی:۔

''گلاب شاہ تم آگئے؟''

یہ سن کر سخت حیران ہوئے-----اس کمرے میں گئے تو ایک حسین وجمیل مجسمۂ نوارانی کو جلوہ افروز دیکھا -----دل پر قابو نہ رہا -----فوراً قدموں میں گر گئے -----جب ہوش بجا ہوئے تو مرید کرنے کی التجا کی، آپ نے فرمایا:

''ہم تو ہمیشہ ہی سے تمہارے ساتھ ہیں-----لیکن اگر یہی خواہش ہے تو آؤ بیعت ہوجاؤ۔''

بیعت ہوکر منت سماجت کر کے حافظ صاحب، سرکار عالی کو اپنے ساتھ گھر لائے -----یہاں آکر ایک دن اچانک سرکارِ والا نے پتنگ اڑانے کی خواہش ظاہر کی، شام ہو چکی تھی -----ڈاکٹر الطاف علی صاحب اس وقت موجود تھے، پتنگ، ڈور حاضر کی گئی چنانچہ سرکار نے رات ہی کو پتنگ اڑائی -----ڈاکٹر موصوف صاحب بھی حیرت سے تماشا دیکھ رہے تھے -----نظر آسمان پر تھی-----اتنے میں سرکار والا نے عجب انداز میں ارشاد فرمایا:

''لو یہ بھی الجھ گئے''

اس وقت ڈاکٹر صاحب کو نہ جانے کیا کرشمۂ قدرت نظر آیا کہ مست ہوکر سرکار کے قدموں میں گر گئے۔

حیرتوں کے سلسلے سوزِ نہاں تک آ گئے

ہم نظر تک چاہتے تھے تم تو جاں تک آ گئے (قابلؔ اجمیری)

جب ہوش آیا تو سرکار نے ان سے فرمایا:

''محبت کی خاصیت یہ ہے کہ محبوب کا عیب بھی ہنر معلوم ہوتا ہے۔''

ے جو کمی دیکھے محبوب میں
یہ منافق کی پہچان ہے (فیاض کاوشؔ)

ے زندگی یوں بھی گزر ہی جاتی
کیوں ترا راہ گزر یاد آیا (غالبؔ)

خلیفہ مولا بخش کسی کام سے کہیں جا رہے تھے-----حافظ گلاب شاہ کے مکان پر لوگوں کا ہجوم دیکھا تو سمجھے کہ شائد کوئی بارات آئی ہے، معاملہ کی تحقیق کے لیے اندر آئے تو دیکھا کہ-----سادہ لباس میں ایک بھولے بھالے صاحبزادے بیٹھے ہوئے ہیں ......نظر ملی -----انہوں نے سلام کیا تو نہایت اخلاق سے جواب دے کر فرمانے لگے-----''دو روز سے تم کہاں تھے؟''

انہوں نے عرض کی:۔''بد نصیب تھا جو اپنی عمرِ عزیز کے دو دن برباد کیے، اب بقیہ ساری زندگی آپ کے قدموں میں گذاروں گا۔''

یہ کہہ کر خلیفہ صاحب وہیں بیٹھ گئے اور ایسے جم کر بیٹھے کہ اٹھنے کا نام نہ لیتے تھے۔

مغرب کی نماز کے بعد سرکار والا نے خود بلا کر پوچھا:

''اپنے گھر کیوں نہیں جاتے؟''

ے کچھ اس ادا سے مرا اس نے مدعا پوچھا
ڈھلک پڑا مری آنکھوں سے گوہرِ مقصود

عرض کیا، اب تو جہاں آپ ہیں وہیں میرا گھر ہے، چنانچہ اس وفا کیش نے اپنا قول پورا کر دکھایا اور آئندہ مسلسل ۲۵ سال تک دیوے شریف میں آستانۂ یار پر پڑا رہا، آخر اسی سرزمین

پاک کا پیوند ہو گیا۔

یہی سنگِ در تو کاوشِ سر احاصلِ جبیں ہے
جو میں اٹھ کے جاؤں بھی تو، کہاں جاؤں آستاں سے

آگرے میں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد آپ پاپیادہ جے پور کی طرف روانہ ہو گئے۔

جے پور میں آمد

جے پور میں آپ کی تشریف آوری کا شہرہ پہلے ہی پہنچ چکا تھا۔حسبِ دستور راستوں پر لوگ آپ کے استقبال کے لئے موجود تھے۔خود ہندو راجہ بخت سنگھ......اپنی رانی کے ساتھ استقبال کو حاضر ہوا اور راستے ہی میں قدم بوسی کا شرف حاصل کر کے عرض کی کہ کچھ نصیحت فرمایئے، چنانچہ آپ نے راجہ کو تلقین فرمائی کہ:۔

''انصاف کا دامن نہ چھوڑنا ----- پتھر نہ پوجنا ----- اور جھٹکے کا گوشت نہ کھانا۔''

اس کے بعد ریاست کے بہت سارے ہندو آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر توحید پرست بن گئے۔

کلمہ پڑھتے ہیں دیکھ کر تم کو
بت بنائے ہیں خدا نے کیسے؟

غرضیکہ جے پور میں کچھ روز قیام کرنے کے بعد آپ خواجہ کی نگری......اجمیر شریف روانہ ہو گئے۔

آستانۂ خواجہؒ پر حاضری

اجمیر شریف پہنچ کر جب آپ آستانۂ خواجہ پر حاضری دینے کے لئے جانے لگے تو درگاہ شریف کے باہر بیٹھے ہوئے کچھ قلندروں نے آپ کے جوتوں کی طرف (جوتے آپ نے کپڑے میں لپیٹ کر اٹھا رکھے ہیں)

اشارہ کرتے ہوئے ازراہِ مذاق کہا:

''میاں صاحبزادے! یہ بغل میں روٹیاں دبائے کہاں جارہے ہو؟''

یہ بات آپ کو ناگوار گذری چنانچہ جوتوں کو آپ اپنے پاؤں میں پہننے لگے----یہ دیکھ کر درگاہ کا ایک مجاور دوڑا آیا اور منع کرنے لگا کہ:۔

''میاں صاحبزادے کیا تمہیں خبر نہیں کہ یہ----سلطان الہند----کا دربار ہے یہاں جوتے پہننا سخت بے ادبی ہے!''

یہ سنتے ہی آپ نے جوتے قلندروں کی طرف اُچھال دیئے اور فرمایا:

''نادانو! یہ اگر روٹیاں ہیں تو لو آپس میں بانٹ لو''۔اس کے بعد آپ نے اس مجاور سے فرمایا:

''اگر جوتا ایسی ہی بری چیز ہے تو اب تم مجھے زندگی بھر کبھی جوتا پہنے نہ دیکھو گے''۔

اور واقعی پھر آپ نے ساری عمر جوتا نہ پہنا۔

یہ خواجۂ بزرگ کے عرس شریف کا زمانہ تھا، بڑے بڑے مشائخ آئے ہوئے تھے ----محفلِ سماع جمی ہوئی تھی----حاضرینِ محفل پر آپ نے جو نظر جمائی تو عجب قدرتِ خداوندی نظر آئی کہ بدن لرزنے لگے----سب گریہ وزاری کرنے لگے----کسی کو کسی کی مطلق خبر نہ رہی----جب ہوش آیا تو سب قدم بوس ہوئے۔اجمیر شریف میں ہر شخص کی زبان پر اب آپ ہی کا ذکر تھا----بیشتر آپ کے مرید ہوئے----ایک ہفتہ آپ نے قیام فرمایا----اور دربارِ خواجہ میں دولتِ بیعت کو خوب لٹایا ہزارہا طالبین نے فیض پایا ----مگر عبداللہ شاہ وارثی (سنگ تراش اجمیر شریف) کی بیٹی نے کچھ زیادہ ہی فیض اٹھایا ----چنانچہ سرکارِ والا سے مرید ہو کر صاحبِ تصرف ہوئیں----اور کشف وکرامت کے سبب----''بی بن اللہ والی''----کے نام سے مشہور ہوئیں۔

ترے عشق میں جو فنا ہو گئے
خدا کی قسم با خدا ہو گئے

درگاہِ خواجہ کے صحن میں اس خوش بخت وارثیہ کا مزار پر انوار ہے۔

ع یہ بھی بندہ نوازی کی حد ہو گئی

غرضیکہ اندھیروں میں بھٹکنے والوں کو نورِ ہدایت دکھاتے ہوئے اور اپنے گھر کی دولتِ ولایت کو بے دریغ لٹاتے ہوئے آپ اجمیر شریف سے چل کر ----- ناگور پہنچے، یہاں سب سے پہلے رئیس شہر پیرزادہ مولوی حسین بخش صاحب پر سرکار کی نگاہِ تیز اثر پڑی، تیرِ نظر سے گھائل ہو کر وہ ایسے مرید ہوئے کہ اسی وقت سرکار کو اپنے گھر لے گئے، یہاں تین روز تک آپ مہمان رہے، لوگ آ آ کر آفتابِ ولایت سے اکتسابِ نور کرتے رہے، آخر تمام طالبین کو فیض یاب کرنے کے بعد آپ بمبئی کی طرف روانہ ہو گئے۔

ے ناز، ادا، آن، حیا، غمزہ، کرشمہ، شوخی
لے گیا دل کو اڑا کے کوئی ان باتوں میں

بمبئی میں آفتابِ ولایت کی ضوفشانیاں

ابھی آپ شہر بمبئی میں داخل بھی نہ ہوئے تھے کہ بمبئی کے مشہور سیٹھ یعقوب صاحب زیرِ دام آئے اور بصد اصرار سرکارِ عالی وقار کو اپنے گھر لائے، یہاں سارے خاندان سمیت بیعت ہو کر سرکار کی غلامی میں آ گئے۔ اس کے بعد ولایت کے آفتابِ عالم تاب کا جو اُجالا پھیلا تو لوگ کشاں کشاں نور کی بھیک لینے کے لئے آنے لگے ----- بمبئی کے ملک التجار سیٹھ زکریا میمن اپنی کثیر جماعت کے ساتھ حاضر ہو کر مرید ہوئے اور اونچے پیمانے پر دعوت کا مستقل طور پر انتظام کیا اور جہاز کی روانگی تک سرکار والا کو اپنے یہاں مہمان رکھا، یہاں بھی شمعِ ولایت پر لوگ پروانہ وار گرنے لگے اور تیرہ و تار دل نورِ ولایت سے جگمگانے لگے۔

ے جلوہ گر آفتابِ ولایت ہوا، حق کے انوار اب دل کو گرمائیں گے
سیاہیٔ کفر کافور ہو جائے گی، نورِ وحدت سے چہرے نکھر جائیں گے

سفرِ حجاز

بمبئی کے قیام کے دوران مریدوں نے آپ کی بے سروسامانی دیکھ کر سفری سامان آپ کے ساتھ کرنا چاہا مگر آپ نے قطعاً پسند نہ فرمایا۔

؎ لاکھ دینے کا ایک دینا ہے
دلِ بے مدعا دیا تو نے

چنانچہ ایک دن سادگی کے ساتھ اپنا کمبل اٹھا کر تن تنہا آپ جہاز پر سوار ہو گئے۔

ع گدڑی میں مگن اپنی رہتا ہے گدا تیرا

کچھ مریدوں نے آپ کے ساتھ چلنا چاہا مگر آپ نے کسی کو اپنے ساتھ نہ لیا بلکہ تمام مسافروں سے الگ جہاز کے ایک تاریک کونے میں جا کر عبادتِ الٰہی میں مشغول ہو گئے۔

؎ دنیا پہ خاک ، طالبِ دنیا پہ خاک ہے
ذکرِ خدا کرو کہ وہ بہتر ہے ، پاک ہے

اس زمانے میں آپ صیامِ وصال رکھ رہے تھے جو تیسرے روز افطار کرتے تھے مگر یہاں نہ کوئی افطاری کا انتظام تھا نہ ہی کھانے کا اہتمام-----بس شکر کا شربت اور صبر کا توشہ ساتھ تھا-----غرضیکہ سفر کٹتا رہا-----جہاز چلتا رہا-----لیکن ساتویں روز جہاز چلتے چلتے یک بہ یک رُک گیا-----محمد تقی-----ناخدائے جہاز نے طوفانی خطرے کا اعلان کر دیا-----لوگوں کے چہرے فق ہو گئے-----مگر آپ تمام خطرات سے دور، تجلیاتِ الٰہی میں گم تھے-----روزے پر روزہ رکھتے ہوئے آج آپ کو مسلسل سات روز بے آب و دانہ گزر چکے تھے-----اسی رات جہاز کے ایک خوش خوراک امیر مسافر ملک التجار سیٹھ ضیاء الدین نے خواب میں دیکھا کہ رسولِ مقبول ﷺ اسے تیز نظروں سے دیکھ رہے ہیں-----وہ کانپ گیا-----لرزتے ہوئے ہونٹوں سے عرض کیا-----"کوئی قصور سرزد ہوا ہے؟-----خطا معاف، حضور مجھے!" آپ نے فرمایا:

''ضیاء الدین! افسوس کا مقام ہے کہ تم خود تو کھاتے ہو اور پڑوسی کو بھول جاتے ہو۔''

ملک التجار نے عرض کیا:

''حضور کونسا پڑوسی؟''

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''تمہارے جہاز کا پڑوسی؟''

ملک التجار سوچ میں پڑ گیا کیونکہ کسی خاص پڑوسی کی طرف اشارہ نہ تھا اس لئے احتیاطاً سارے جہاز کی دعوت کر دی، وہ خوش تھا کہ اس طرح تعمیلِ حکم کی سعادت حاصل کر لی----- مگر جب رات ہوئی تو وہی خواب پھر نظر آیا-----حضور سرورِ کائنات ﷺ کے چہرۂ انور سے ناراضگی کے اثرات برابر ظاہر ہو رہے تھے، یہ دیکھ کر اس کا دم گھٹنے لگا-----کانپتے ہوئے ہونٹوں سے عرض کیا:۔

''یارسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ، زر و مال سب آپ پر قربان، آپ اب بھی مجھے خوش نظر نہیں آ رہے؟''

حضور اکرم ﷺ نے پھر وہی جواب دیا: ''ضیاء الدین! تمہارے پڑوسی نے تو اب بھی کھانا نہیں کھایا۔''

اب کے ضیاء الدین نے التجا کی: ''یارسول اللہ ﷺ مجھے اس پڑوسی کا دیدار کرا دیجئے''

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''ضیاء الدین! اسے تم خود تلاش کرو''۔

یہ کہہ کر حضور علیہ السلام تشریف لے گئے۔ضیاء الدین بیدار ہوا تو اسے یقین ہو گیا کہ جہاز پر یقیناً کوئی غیرت مند، متوکل شخصیت موجود ہے جس کے نزدیک عام دعوت میں شریک ہونا بے عزتی ہے لہٰذا اس نے دعوتِ عام کا اہتمام تو کیا مگر جب سب مہمان آ گئے تو بکمالِ احتیاط اس مہمانِ خدا کو تلاش کرنے کے لئے جہاز کے ناخدا سے مسافروں کے ناموں کا رجسٹر طلب کیا اور ایک ایک مسافر کو خود شمار کرنے لگا، آخر اس صابر و شاکر کا نام معلوم کر ہی لیا جو اب تک دعوتِ

تجلیاتِ الٰہیہ میں مشغول تھا اور آج بھی اس دعوتِ شیراز میں شرکت کرنے نہ آیا تھا چنانچہ اب ملک التجار خود پاگلوں کی طرح اس بندۂ خاص کو کونے کونے میں تلاش کرنے لگا۔

بالآخر جب جہاز کے تہہ خانہ میں پہنچا تو دیکھا کہ یہاں اندھیرے میں ایک شعلۂ طور روشن ہے جس میں ایک نورانی تصویر بشکلِ انسانی جلوہ گر ہے، دوڑ کر قدموں میں گرا، اب تک حاضر نہ ہونے کا عذر پیش کیا پھر بہ اصرار کھانا کھانے کی درخواست کی، از راہِ اخلاق آپ نے چند لقمے تناول فرمائے اس کے بعد ملک التجار نے زبانِ حال سے کہا:

اک چیز دل میں چبھ کے نکل آئی لے کے جاں
اس کو قضا کہوں کہ تمہاری ادا کہوں

''لٰلہ اب مجھے اپنے دامنِ رحمت سے وابستہ کر لیجئے''۔

سرکار نے سمجھایا کہ:

''بابا فقیری کی مشقتیں برداشت کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں یہاں بڑے بڑے ہمت ہار بیٹھے ہیں''۔

مگر وہ بڑا سوداگر تھا ----- اور اس کا تو یہ دیکھا بھالا سودا تھا، چنانچہ ملک التجار نے آپ کا دامن نہ چھوڑا اور بہ ہزار منت سماجت آپ کا مرید ہو گیا۔

غرضیکہ کھانا کھلا کر جب وہ اپنی جگہ پر واپس پہنچا تو جہاز بدستور چلنے لگا۔ اس رحمتِ خداوندی پر سب کو حد درجہ خوشی ہوئی اور جہاز کے جملہ مسافر آفتابِ ولایت کے فیضِ روحانی سے سرشار ہو کر زیارت کے لئے پروانہ وار گرنے لگے۔

ان شوخ حسینوں پہ جو مائل نہیں ہوتا
کچھ اور بلا ہوتی ہے وہ دل نہیں ہوتا

جدہ میں طلوعِ آفتابِ ولایت

آخرِ کار بحری سفر ختم ہوا، جدہ کی سرزمینِ پاک نظر آئی ----- آپ جہاز سے اُترے،

احرام شریف باندھنے کی تیاری کی۔ جب احرام باندھ کر کھڑے ہوئے تو خدائے بزرگ و برتر کی قدرتِ کاملہ کا نمونہ بن گئے ---- قدِ موزوں گویا بنا ہی احرام کے لئے تھا ---- لاکھ بناؤ اور ہزار سنگھار آپ پر قربان ہو رہے تھے۔

اللہ رے جسمِ یار کی خوبی کہ خود بخود
رنگینیوں میں ڈوب گیا پیرہن تمام

ایک تو اعضاء سڈول ---- سانچے میں ڈھلے ہوئے ---- دوسرے آنکھیں نشیلی ---- نظریں کٹیلی ---- پیشانی فراخ ---- چہرہ روشن آفتاب۔

ع ہر ادا مستانہ سر سے پاؤں تک چھائی ہوئی

اور پھر اس بلند و بالا سرو قد پر ---- نورانی احرام! ---- دل قدموں میں لٹا جائے ---- احترام کرنے کو خود بخود جی چاہے۔

پیراہن اس کا سادہ و رنگیں
یا عکسِ مے سے شیشہ گلابی

غرضیکہ احرام باندھ کر آپ نے اپنے مرید باصفا ---- ملک التجار سیٹھ ضیاء الدین سے فرمایا:

"ضیاء الدین! تم پہلے مدینہ منورہ ہو آؤ کیونکہ حج تو چار مہینے بعد ہوگا اور زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔"

سیٹھ صاحب نے رو کر عرض کیا: "آپ سے جدا ہونے کو دل نہیں چاہتا۔"

یہ کس مقام پر تنہائی سونپتے ہو مجھے
کہ اب تو ترکِ تمنا کا حوصلہ بھی نہیں

"لیکن اگر آپ کا یہی حکم ہے تو میں بہر حال آپ کے حکم کی تعمیل کو فرضِ عین سمجھتا ہوں"۔

یہ کہہ کر سیٹھ صاحب روانہ ہونے کیلئے اپنی جگہ سے اُٹھے اور آخری بار قدم بوس ہوئے۔

محفلِ یار سے اُٹھنے کو اُٹھے ہم لیکن

درد کی طرح اُٹھے ، گر پڑے آنسو کی طرح

سرکارِ اقدس بھی جدہ کے مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کو روانہ ہو گئے، اور پھر پیدل سفر کرتے ہوئے ------۲۹ شعبان کو مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ یہاں حرم شریف کے قریب ایک خدا رسیدہ بزرگ انتظار میں کھڑے تھے۔ انہوں نے آپ سے معانقہ کیا اور فرمایا: ''آپ نے بہت دیر کی'' یہ کہہ کر آپ کے زانو پر سر رکھا اور جاں جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ آپ نے ان کی تجہیز و تکفین کا انتظام فرمایا۔

یکم رمضان کو آپ اپنے میزبان-----عبداللہ حسن مکی کے ہمراہ طوافِ کعبہ کو جا رہے تھے کہ اس دور کے ایک زبردست بزرگ (جو یہاں ''دوائرِ کبریٰ'' کے نام سے مشہور تھے) قریب آئے، آپ کو سینے سے لگایا اور خوشخبری سنائی کہ:

''صاحبزادے! آج بیت اللہ شریف میں آپ پر وہ انوارِ الٰہیہ برسیں گے جو سینکڑوں سال بعد کسی کو نصیب ہو رہے ہیں، مبارک ہو''

جسے درد دے کوئی بے طلب ، اسے کیا دعاؤں سے واسطہ

جہاں منتظر ہوں عنایتیں ، وہاں کیا سوال کی بات ہے

یہاں سارے رمضان شریف میں روزانہ آپ مقامِ ابراہیم پر دو رکعت نمازِ نفل میں خوش الحانی سے پورا کلامِ پاک ختم فرماتے-----لوگوں کے دل کھنچے چلے آتے-----اہلِ ذوق سنتے اور لطف اندوز ہوتے۔

مقامِ ابراہیم پر وہ نمازیں

بہ ہر سجدہ معراجِ سر اللہ اللہ

دن چڑھے آپ مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کو نکل جاتے-----عقیدت مندوں کا ہجوم ساتھ ہوتا تھا۔

اس طرح پہلا حج مبارک آپ نے ۱۸۳۶ء میں ادا فرمایا-----اس سال کا حج -----حج اکبر تھا، اس وقت آپ کی عمر شریف صرف پندرہ سال تھی۔

ہے مکہ سے افضل مدینہ تمہارا

حرم شریف میں ساڑھے تین ماہ انوارِ الٰہیہ کی بہاریں لوٹنے کے بعد آپ بصد عجز و نیاز "دربارِ حبیب ﷺ" میں حاضری کے لیے پیدل روانہ ہوئے-----ہر قدم پر

ے وہ قلب و نظر سے محبت کے سجدے
لبوں پر درود و سلام اللہ اللہ

اس طرح دربارِ محبوب کی حدود میں داخل ہوئے، جب

ع رخِ مصطفٰے سے مجلّے در و بام

پر نظر پڑی تو آنکھیں شرابِ انوار سے چھلکنے لگیں-----دل، بوئے یار سے سرشار ہو کر جھومنے لگا، اتنے میں

ع نگاہوں کی جنت حسین سبز گنبد

-----نظر آیا-----طبیعت پر قابو نہ رہا۔

ے نہ کیوں تیز ہوں دھڑکنیں خستہ دل کی
نظر آیا باب السلام اللہ اللہ

چنانچہ بصد ذوق و شوق مسجدِ نبوی ﷺ میں داخل ہوئے اور انہیں وجدانی کیفیات میں پہلے آپ نے دو رکعت نمازِ شکرانہ ادا کی، اس کے بعد نیچی نظریں کیے ہوئے حریمِ ناز کی جلوہ گاہِ خاص کی طرف بڑھے آخرکار

ے وہ جالی تک آکر نظر لڑکھڑائی

ادب کا وہ اعلیٰ مقام اللہ اللہ! (کاوش)

آپ نے یہاں آفتابِ رسالت ﷺ کے چکا چوند میں جو دیکھا سو دیکھا-----اور جو سنا سو سنا-----بس

؎ عرش تک تو خیالوں نے سمجھا انہیں
ختم آ گے تخیل کی حد ہو گئی !

جب آپ باہر تشریف لائے تو حالت یہ تھی کہ قدم مستانہ وار-----آنکھیں سرشار-----زبان صرفِ اذکار-----دل مطلعِ انوار-----غرضیکہ سراپا کاشفِ اسرارِ الٰہیہ اور مظہرِ شانِ مصطفائی کا نمونہ بنے ہوئے تھے، خود اہلِ مدینہ آپ کی جذباتی و وجدانی کیفیات سے حد درجہ متاثر تھے اور ہر طرح آپ کی دلجوئی اور عزت افزائی کرتے تھے۔

یہاں لوگوں نے آپ کو یہ واقعہ بھی سنایا کہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے مدینہ منورہ میں آپ کے مریدِ باصفا-----ملک التجار سیٹھ ضیاء الدین صاحب آئے تھے، جب وہ حضورِ پاک ﷺ کے روضۂ انور کے قریب پہنچے تو آفتابِ رسالت ﷺ کے جلوؤں میں ہمیشہ کے لیے گم ہو گئے یعنی آستانہ بوسی کے لیے جھکے تو پھر نہ اٹھ سکے-----اسی مبارک حالت میں اس خوش نصیب کو وصالِ حق حاصل ہوئی۔

؎ جو خوش نصیب سو گیا قدموں میں آپ کے
محشر میں اس کا طالعِ بیدار دیکھنا (کاوش)

مدینہ منورہ کی نورانی فضاؤں میں آپ نے تین ماہ گذارے، جمادی الاولیٰ ۱۲۵۴ھ/۱۸۳۸ء میں-----نجفِ اشرف کی زیارت کو پیدل روانہ ہوئے۔ راستہ میں آپ کی طبیعت ناساز ہوگئی اس لئے سفر دیر میں ختم ہو-----آخر کار ۱۷ جمادی الثانیہ کو نجفِ اشرف پہنچے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مزارِ مبارک کی زیارت سے مشرف ہوئے-----دینے والے نے اپنے لاڈلے کو نہ جانے کیا کچھ دیا اور پانے والے نے اپنے جدِامجد سے کیا کچھ پایا۔

یہاں اکیس روز قیام کرنے کے بعد آپ کربلائے معلیٰ کی زیارت کو روانہ ہو گئے، ننگے سر، ننگے پاؤں پیدل سفر کرتے رہے، دشوار گذار راستے کے مصائب جھیلتے ہوئے جب سوادِ کربلا میں پہنچے اور وہاں کی مٹی سے خونِ شہیداں کی بو محسوس کی تو دل بے قابو ہو گیا، اسی حالت میں گرتے پڑتے سید الشہداء امامِ عالی مقامؑ کے روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے۔ یہاں پہنچ کر آپ کی حالت غیر ہو گئی مرقدِ انور میں اپنے جدِ امجد کو آرام فرما دیکھ کر دنیا نظر میں ہیچ ہو گئی۔

وہ چہرہ چاند سا جو بوسہ گاہِ مصطفیٰؐ ٹھہرا
اسی چہرے پہ آ آ کر غبارِ کربلا ٹھہرا (کاوشؔ)

اس وقت سے آپ نے اپنے لئے----- پلنگ، مسہری، تخت، چوکی پر آرام کرنا حرام کرلیا، زندگی میں پھر کرسی، چارپائی، تخت، چوکی وغیرہ پر کبھی نہ لیٹے بیٹھے اور اسی وقت سے ترکِ لذات کی بھی ٹھان لی۔

چنانچہ شہیدانِ کربلا کی بھوک پیاس کو یاد کر کے ہمیشہ کے لیے روزہ رکھنا اختیار فرمایا، الغرض تیرہ روز یہاں قیام فرمایا۔

۹ شعبان کو بصد رنج و غم آپ یہاں سے مشہدِ مقدس کی زیارت کو روانہ ہوئے۔ بے آب و گیاہ صحراؤں میں مسلسل پیدل سفر کی تکان کے سبب مشہدِ مقدس پہنچتے پہنچتے آپ کی طبیعت ناساز ہو گئی۔ مشہدِ مقدس میں آپ حضرت علی موسیٰ رضا علیہ السلام کے مزارِ پرانوار کی زیارت سے مالا مال ہوئے اور ایک ماہ تک مسلسل یہاں قیام پذیر رہے، آخر صحت یابی کے بعد ۷ رمضان المبارک ۱۲۵۴ھ/۱۸۳۸ء کو آپ کاظمین شریف اور بغداد شریف کی زیارت کو روانہ ہوئے۔

بغداد شریف میں عزت افزائی

بغداد شریف میں داخل ہونے سے پہلے ہی حضرت پیر سید مصطفیٰ صاحب سجادہ نشین درگاہِ جیلانی کو حضرت غوث الاعظمؒ سے بشارت ہوئی کہ:

''ہندوستان سے ہمارے خاندان کا روشن چراغ آ رہا ہے، اسے زرد رنگ کا احرام

پیش کیا جائے ----- نام اس کا وارث علی ہے!''

صاحب سجادہ نے جیسے ہی حضرت غوث الاعظمؓ کا حکم سنا، جلدی سے دو احرام زرد رنگ کے بنوائے اور آپ کی آمد کا انتظار کرنے لگے، جب بغداد شریف میں آپ کا ورودِ مسعود ہوا تو حضرت سجادہ نشین صاحب نے آپ کا بڑے پُر تپاک انداز میں استقبال کیا اور خانقاہِ عالیہ میں ٹھہرایا اور وہ دونوں احرام نذر گذارے ----- یہ خاص معاملہ دیکھ کر حاضرینِ محفل میں سے بعض نے حضرت سجادہ نشین صاحب سے سوال کیا کہ:۔

''حضور سب کو تو خرقہ و دستار عطا فرماتے ہیں مگر آپ کو زرد احرام پیش کرنے کا کیا سبب ہے؟''

اس پر انہوں نے جواب دیا کہ:

''ہم دستار اپنی مرضی سے دیتے ہیں مگر حضرت حاجی صاحب کو احرام شریف خاص حضرت غوث الاعظم دستگیرؓ کی مرضی سے نذر ہوا، مجھے ایسا ہی حکم ہوا تھا جس کی تعمیل کی گئی ہے۔''

ے قدم آ کے خود اس کے منزل نے چومے
بنے جس کے بھی رہنما غوثِ اعظمؓ (کاوش)

بغداد شریف میں قیام کے دوران آپ دن میں قدیم صوفیائے کرام کے مزارات مقدسہ کی زیارت کرتے اور شب کو حضرت غوث الثقلینؓ کے آستانۂ عالیہ کی مسجد شریف میں عباداتِ الٰہیہ کیا کرتے۔

بغداد شریف سے روانہ ہو کر یکم ذوالحجہ تک آپ مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ اس سال آپ کو اتوار کے دن ----- حج ----- کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ ادائے حج کے بعد آپ پھر مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے اور خوب سعادتیں حاصل کیں۔

یہاں سے آپ بیت المقدس تشریف لے گئے، وہاں انبیاء علیہ السلام کے مزاراتِ مقدسہ کی زیارت کی، اس کے بعد افریقہ کی سیاحت کے لئے تشریف لے گئے۔ سیاحت کے بعد

آپ نے آ کر پھر حج کی سعادت حاصل کی۔ غرضیکہ سیر و سیاحت کی تمام مدت میں حج کا فریضہ ادا کرتے رہے۔

اپنی کمائی

عرب کی سیاحت کے دوران آپ کی ملاقات ایک ابدال سے ہوئی۔ انہوں نے فرمایا:

''آؤ صاحبزادے میں اپنی ستر سال کی ریاضت کا پھل تم کو بخش دوں۔''

سرکار وارث پاک نے جواب دیا:

''ہمیں نہیں چاہئے، شیر خود اپنا شکار کھاتا ہے اور دوسرے درندوں کے شکار کو سونگھتا بھی نہیں۔''

اسی طرح کسی اور موقع پر عرب کے ایک اور بزرگ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ:

''صاحبزادے کیا تلاش کرتے ہو؟ جو طلب ہو میں پوری کر دوں؟''

سرکار نے جواب دیا کہ

''ہمارے گھر میں کیا نہیں؟ تسلیم و رضا ----- اہلبیت کی لونڈی ہے اور ----- فقر ----- شیرِ خدا کا غلام!''

اس پر انہوں نے کہا: ''سچ کہتے ہو!''

؎ فخرِ شریعت میں اس گھر کے یہ مالک ہیں
اللہ نے جس گھر میں قرآن اُتارا ہے (کاوشؔ)

وطنِ عزیز کو واپسی

حجازِ مقدس کے پہلے سفر میں چار مرتبہ حج کرنے کے بعد آپ جہاز کے ذریعے بمبئی پہنچے اور یہاں سے اندور، اجین، ٹونک، اجمیر شریف اور دہلی وغیرہ ہوتے ہوئے ۱۸۴۱ء میں لکھنؤ

تشریف لائے۔ یہاں ایک ہفتہ قیام فرمانے کے بعد "دیوے شریف" آکر رونق افروز ہوئے۔

پہلے تو ننگے سر، ننگے پاؤں، احرام پوش فقیر کو دیکھ کر لوگ پہچانے نہیں لیکن بعد کو شہرت ہوگئی کہ "مٹھن میاں" حج کر کے احرام پہنے ہوئے آئے ہیں چنانچہ سب کو خوشی ہوئی، عزیزوں نے دعوتیں کیں اور کچھ رشتہ داروں کو آپ کی شادی کا بھی خیال پیدا ہوا چنانچہ سید اعظم علی صاحب کی دختر نیک اختر پیدائش ہی کے وقت سے آپ کے ساتھ منسوب تھیں اس لیے رشتہ داروں نے چاہا کہ یہ شادی ہو جائے مگر آپ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق کہ:

(ترجمہ) "اے مومنو! تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے تمہارے دشمن ہیں تو ان سے احتیاط کرتے رہو" (القرآن)

صاف انکار کر دیا----مگر عزیزوں کا اصرار بڑھتا گیا جس کے جواب میں بار بار انکار کرنا بھی مناسب نہ جانا اور خاموشی سے لکھنؤ تشریف لے گئے، کچھ دن وہاں رہنے کے بعد آپ نے پھر حجازِ مقدس کے سفر کا ارادہ فرما لیا، چنانچہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۲۵۷ھ/۱۸۴۱ء کو آپ کی بلند ہمتی نے یہ سفر جہاز سے بے نیاز ہو کر پیدل شروع کیا..... اس زمانہ میں نہ ایسے پختہ راستے تھے اور نہ ہی آرام گاہیں. ----مگر اللہ کا فقیر لق و دق صحراؤں کو عبور کرتا ہوا اور بلند و بالا پہاڑوں کو روندتا ہوا چلا جا رہا تھا۔

شرابِ عشق سے مخمور
نشۂ محبت سے چور

آخر کار آپ اپنی محبوب منزل----مدینہ منورہ----میں ذیقعدہ کے تیسرے ہفتے پہنچ گئے۔ وہاں کچھ عرصہ قیام فرما کر حج بیت اللہ کے لیے مکہ معظمہ چلے گئے----حج کی سعادت حاصل کرنے کے بعد آپ نے سیر و سیاحت کے لیے ترکی کے ایک قافلے کے ساتھ سفر اختیار فرمایا۔

ترکی کا سفر

مکہ مکرمہ میں حج کے دوران ایک ترک امیر عبداللہ حاجب آپ کا مرید ہو کر ترکی آنے

کی درخواست کر گیا تھا چنانچہ حسبِ وعدہ آپ اس کے پاس ترکی پہنچے۔ عبداللہ حاجب شاہی دربار میں ایک خاص مقام رکھتا تھا اور سلطان تک اس کی رسائی تھی۔

الغرض ایک دن عبداللہ حاجب اصرار کر کے اپنے پیرومرشد کو شاہی باغ کی سیر کرانے لے گیا، اتنے میں شاہی سواری بھی آ گئی، تھوڑی ہی دیر بعد دنیا کا سب سے بڑا ذی اقتدار سلطانِ ترکی عبدالمجید خاں اپنے رعب دار چہرے پر شاندار مونچھیں کھڑی کیے ہوئے حضرت وارث علی شاہ صاحب کے روبرو کھڑا تھا----- اسے سخت حیرت ہوئی کہ شاہی باغ میں کمبل بچھائے ایک احرام پوش فقیر کس بے نیازی سے بیٹھا ہوا تھا----- اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ اتنے میں سرکار وارثِ پاک نے ایک اچٹتی ہوئی نظر سلطان پر ڈالی جو تیر کی طرح سلطان کے دل کے پار ہو گئی! سلطان اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکا، گھبرا کر عبداللہ حاجب سے پوچھا:

''حاجب! یہ بزرگ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں ٹھہرے ہیں؟''

عبداللہ حاجب کے جواب دینے سے پہلے ہی آپ نے جواب دیا:

''فقیر کا کوئی گھر نہیں اور سب گھر فقیر کے ہیں!''

سلطان نے حیرت سے پوچھا:

''آپ ترکی زبان بھی جانتے ہیں؟''

آپ نے یہ فرما کر سلطان کو مزید حیرت زدہ کر دیا کہ:

''ہمیں دل کی زبان آتی ہے اور جسے دل کی زبان آتی ہے وہ سب زبانیں جانتا ہے!''

سلطان اب لاجواب ہو چکا تھا، سب امیر، وزیر، مصاحب اور غلام حیران و پریشان ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے اور سوچ رہے تھے کہ یہ کس پائے کا فقیر ہے جس کے سامنے عرب و عجم کا سب سے زیادہ طاقتور سلطان بے بس و مجبور کھڑا ہوا ہے آخر سلطان نے لرزتے ہوئے جسم اور کانپتے ہوئے ہونٹوں سے شاہی محل میں چلنے کی درخواست کی جسے سرکارِ عالی وقار نے قبول کرتے ہوئے اگلے روز آنے کا وعدہ فرما لیا۔

دوسرے دن شاہی محل اللہ کے فقیر کے لیے سجایا جا رہا تھا۔ یہ منظر بھی کس قدر دلفریب ہوگا کہ ایک احرام پوش فقیر ننگے سر، ننگے پاؤں، شاہی محل کی آرائش وزیبائش سے بے نیاز چلا آ رہا تھا-----اور اندر سے باہر تک محل میں شاہی بیگمات، شہزادے، شہزادیاں، وزراء، سفراء، قطار اندر قطار اس اللہ والے کے استقبال کے لئے گردن جھکائے کھڑے ہوئے تھے۔

الغرض جب سرکار تشریف لائے تو سب سے پہلے سلطان عبدالمجید خاں اپنے تمام اہل وعیال سمیت مرید ہوئے، اس کے بعد محل کا سارا عملہ اور تمام وزراء وامراء آپ کے دستِ حق پر بیعت ہوئے-----اب شہر میں سلطان کی ارادت مندی اور شرفِ غلامی حاصل کرنے کی خبر جو مشہور ہوئی تو قلعہ کے نیچے عوام کا ازدحام ہو گیا۔ ہر شخص عقیدت مندی کے جوش میں فخرِ غلامی حاصل کرنے کے لئے بے چین نظر آتا تھا۔ ہجوم کی کثرت کے پیش نظر حکم ہوا کہ ایک رسہ محل کے نیچے لٹکا دیا جائے اور اعلان کر دیا جائے کہ جو رسہ کو چھو لے گا وہ ہمارا مرید ہے۔

رسہ گرتے ہی مجمع بے قابو ہو گیا-----حتیٰ کہ عمال نے عرض کیا کہ-----سرکار! محبت کا یہ تماشا کہیں خونی نظارہ نہ بن جائے!-----یہ سن کر سرکار والا جھروکے میں تشریف لائے اور روئے انور کا نظارہ کراتے ہوئے فرمایا:

''جس نے ہمیں دیکھ لیا وہ ہمارا مرید ہو گیا۔''

اس طرح محل کے جھروکے سے لوگوں نے آفتابِ ولایت جو طلوع ہوتے دیکھا تو قلب روشن ہو گئے-----چہرے تمتمانے لگے-----لوگ آپس میں گلے ملتے تھے اور ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے تھے گویا عید کا منظر تھا۔

سلطان کے اصرار پر آپ نے یہاں ایک ہفتہ قیام فرمایا، اس کے بعد ترکی کے تاریخی مقامات کی سیر کا قصد کیا چنانچہ آپ درِ دانیال پہنچے تو آپ کو پیاس محسوس ہوئی۔ اس وقت حسین بک نامی شخص ایک ترک افسر نے بڑے ادب سے آپ کو پانی کا ایک ٹھنڈا گلاس پیش کیا اور عرض کیا:

"یا سیدی هل جزاء الاحسان الا الاحسان"

پانی پی کر جو آپ نے اسے دیکھا تو اسی ایک نظرِ کرم سے اس کے دل کی دنیا ہی بدل ڈالی۔ دیکھتے ہی دیکھتے حسین بک-----رومی شاہ بن گئے اور وہ اس طرح کہ "دردانیاں" سے دیوے شریف آئے اور سرکار سے احرام پا کر "رومی شاہ" کے خطاب سے نوازے گئے، بحکم سرکار "کوہِ آبو" پر پہنچ کر عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ آخر یہیں اللہ اللہ کرتے کرتے اللہ کو پیارے ہو گئے۔

ع خاکِ فنا ہی منزلِ آبِ بقا ہوئی

ترکی میں سرکار وارثِ پاک کو اس قدر مقبولیت حاصل ہوئی کہ لوگ کسی طرح آپ کو جدا نہ کرتے تھے-----آخر جب آپ نے حج بیت اللہ شریف کا عذر پیش کیا تو سب مجبور ہو گئے

حسرت ذرا بھی دل سے نہ نکلی ہزار حیف
نکلا اُدھر وہ گھر سے اِدھر جی نکل گیا

یہاں سے رخصت ہو کر آپ مکہ مکرمہ پہنچے-----حج ادا فرمایا-----اس کے بعد وطنِ عزیز کی طرف روانہ ہو گئے اور ۱۸۴۴ء کے قریب آپ دیوے شریف پہنچے مگر جلد ہی یہاں سے دل اکتا گیا۔ محبوبِ خدا کی یاد تڑپانے لگی۔ دیارِ حبیب کی محبت وطنِ عزیز کی محبت پر غالب آئی، چنانچہ دیوانہ وار آپ پھر پیدل روانہ ہو گئے، خشکی کے راستے یہ آپکا تیسرا سفرِ حج تھا جو رجب کے مہینے میں ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء میں شروع ہوا۔ حج ادا کر کے آپ ایک ایرانی قافلے کے ساتھ آخری ذی الحجہ کو ایران تشریف لے گئے۔

یورپ میں تبلیغِ روحانیت

ایران کا دورہ ختم فرما کر آپ اپنے ایک عقیدت مند-----محمد عارف-----کے ساتھ روس کی سیاحت پر روانہ ہو گئے۔ یورپ میں آپ سے پہلے کسی صوفی درویش نے آپ کی طرح تبلیغِ روحانیت کے لئے سیاحت نہیں کی۔ یہ تمام سفر آپ نے پیدل طے کیا۔ دورانِ

سیاحت راستے میں ملنے والے عیسائیوں کو آپ نے ----- توحید ----- کا سبق پڑھایا، اس طرح جب آپ جرمنی پہنچے تو وہاں ----- پرنس بسمارک ----- کو آپ سے والہانہ عقیدت ہوگئی اس نے آپ کی میزبانی کی عزت حاصل کی چنانچہ پٹنہ ہائی کورٹ کے جج سید شرف الدین صاحب تحریر کرتے ہیں کہ:

''یورپ سے اپنی تعلیم ختم کر کے جب میں وطن واپس آیا تو سرکار وارثِ پاک کی خدمت میں حاضر ہوا وہاں میری سیاحتِ یورپ کا ذکر چل نکلا ----- اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ قریب قریب سارا یورپ سرکار کا روندا ہوا ہے ----- روم، روس، جرمنی وغیرہ ممالک خوب دیکھے بھالے ہیں چنانچہ اسی سلسلے میں سرکار نے مجھ سے دریافت فرمایا:

''کیا بسمارک سے ملاقات ہوئی ہے؟''

میں نے عرض کیا:

''بڑے آدمی ہیں دیکھا ضرور ہے لیکن ملاقات نہیں ہے مگر حضور انہیں کیسے جانتے ہیں؟''

فرمایا ''ہم اس کے مہمان رہے تھے، بہت اچھا آدمی ہے۔''

اس کے بعد شہزادہ ملان کے بارے میں فرمایا میں نے عرض کیا کہ: ''تصویر تو دیکھی ہے مگر ملاقات نہیں ہوئی''۔ اس کے بعد سرکار والا ----- شہزادہ سرویا ----- کی بہت تعریف کرتے تھے اور اندازِ کلام سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ آپ کا مرید ہو چکا تھا۔

پھر سرکار نے کسی اور شہر کا نام لے کر پوچھا:

''بیرسٹر! تم وہاں بھی گئے تھے؟''

میں نے عرض کیا: ''گیا تھا!''

فرمایا: ''کہاں ٹھہرے تھے؟''

عرض کیا: ''ہوٹل میں!''

فرمایا: ''اس ہوٹل میں جو گرجا کے پاس ہے؟''

عرض کیا: ''جی ہاں!''

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

''ہم بھی وہاں گئے تھے اور وہاں کے رکنِ اعظم میریسن کے یہاں تین روز تک مہمان رہے تھے۔ لوگ وہاں کے بہت خلیق تھے۔''

اکثر جذب کے عالم میں اپنی غیر ملکی سیاحت کے واقعات بیان فرماتے تھے، حالات سے معلوم ہوتا تھا کہ آپ کئی سال تک مغربی ممالک کے سفر پر رہے۔ اس کی تصدیق یوں بھی ہوئی کہ ایک مرتبہ سرکار والا بارہ بنکی سے رودلی جانے کے لیے ریل میں سوار ہوئے، اتفاق سے اسی ڈبے میں ایک یورپین کو بیٹھے دیکھا، سرکار نے اس پر بڑی شفقت فرمائی، پہلے کچھ سنگترے عنایت کئے پھر حکم ہوا کہ صاحب کو اونی تہبند دے دو، کسی نے دہی پیڑوں سے بھری ہوئی ایک بڑی ہانڈی پیش کی تھی ...... فرمایا کہ یہ بھی انہیں دے دو، پھر ارشاد ہوا کہ سیب اور انگوروں کی ٹوکری بھی دے دو، غرض مختلف چیزیں عطا فرمانے کے بعد آپ نے ان سے پوچھا ----- تمہارا مکان کہاں ہے؟ انہوں نے یورپ کے کسی شہر کا نام بتایا۔ پھر دریافت کیا کہ فلاں شخص کو جانتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ: ''وہ میرے دادا تھے، دو سال ہوئے کہ وہ فوت ہو گئے، وہ ہمیشہ زمین پر سوتے تھے اور ایک کتاب پڑھا کرتے تھے۔''

اس پر آپ نے فرمایا کہ: ''وہ ہمارے یار تھے، جب ہم وہاں گئے تھے تو انہوں نے ہماری بڑی خاطر داری کی تھی۔''

الغرض یورپ کے سفر سے واپس ہوتے ہوئے آپ نے مصر کی سیاحت کی، وہاں سے بیت المقدس تشریف لائے۔ حج کا زمانہ قریب تھا لہٰذا آپ دیارِ یار کی طرف روانہ ہوئے، طویل مسافت اور تکان کی وجہ سے یہاں پہنچتے پہنچتے آپ علیل ہو گئے۔ لہٰذا حج ادا کرنے کے بعد اہلِ مکہ نے مزید سفر سے آپ کو روک دیا چنانچہ صحت یاب ہونے تک آپ عدن تشریف لے گئے اور آس پاس کے دیگر علاقوں کی سیاحت کرتے ہوئے یمن کی یادگار ملاحظہ فرمائی وہاں سے اطراف کی سیر

کرتے ہوئے ماہِ رمضان میں مکہ مکرمہ پہنچے۔حج ادا کرنے تک یہاں قیام فرمایا۔اس کے بعد محبوب کی یاد نے ستایا تو اہل مکہ سے بغل گیر ہو کر رخصت چاہی،اس طرح محرم کی ابتدائی تاریخوں میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔یہاں دو ہفتے تک بارگاہِ سرورِ کونین ﷺ میں ہدیہ صلوٰۃ وسلام پیش کرتے رہے۔آخر جمعہ کی نماز کے بعد اپنے نانا جان علیہ السلام سے رخصت چاہی،پھر اپنے خاندان کے دیگر بزرگوں کو الوداعی سلام پیش کرنے کے لیے جنت البقیع میں حاضری دی اور دادی جان----حضرت خاتونِ جنتؑ کے لوحِ مزار کو چوم کر الوداع کہی----اس طرح زار و نزار اشکبار ہندوستان واپس ہوئے۔

قیامت کے فتنے کہاں ہیں کہ اُٹھ کر
ذرا ان کا وقتِ سفر دیکھ لیتے

وطن واپسی

سرزمینِ عرب سے روانہ ہو کر آپ جہاز کے ذریعے بمبئی پہنچے،یہاں سے پیدل چل کر سلطان الہند خواجہ غریب نواز کے دربارِ اقدس میں حاضری دی----یہ ۱۸۵۰ء کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد آپ----دیوہ شریف----تشریف لائے اور پھر اس سرزمین کو ایسی عزت بخشی کہ ڈاکخانہ کی سرکاری مہر پر بھی----دیوہ شریف ہی لکھا جانے لگا۔

اس مرتبہ کی واپسی کے بعد آپ کی خدمت میں پہلے سے بھی زیادہ ہجوم رہنے لگا۔ ہندوستان بھر سے سمٹ سمٹ کر طالبانِ حق دیوہ شریف چلے آرہے تھے۔

ہم ہوئے ، تم ہوئے کہ میرؔ ہوئے
اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

چنانچہ اس بار آپ نے بعض مریدوں کو احرام پوش بنا کر آدابِ احرام پوشی کی ہدایات فرمائیں۔(تذکرۂ اولیاء،حیاتِ وارث)

آدابِ احرام پوشی

☆فقیری کھیل نہیں----جیتے جی مر جانا ہے----احرام -----کو کفن اور زمین -----کو قبر کی منزل سمجھنا چاہیئے۔

☆احرام پوش فقیر----کو کرتہ، ٹوپی، عمامہ، پاجامہ، گلوبند، موزہ غرضیکہ احرام کے علاوہ کوئی بھی چیز استعمال نہیں کرنی چاہیئے حتیٰ کہ مرنے کے بعد کفن بھی وہی ہوگا۔

☆احرام پوش کے لیے تخت، چوکی، مسہری، چارپائی، مونڈھا اور کرسی وغیرہ پر بیٹھنا قطعی ممنوع ہے -----ان کا بستر ہمیشہ زمین پر بے تکیہ ہوگا حتیٰ کہ ان کا جنازہ بھی چارپائی پر نہ جائے گا۔

☆احرام پوش فقیر نہ مکان بنائے-----نہ دنیا کا مال واسباب جمع کرے-----نہ شادی غمی کی تقریبات میں شرکت کرے اور نہ ہی مذہبی تنازعات میں حصہ لے اور نہ ہی تعویذ گنڈا کرے کہ یہ سب تسلیم ورضا کے خلاف ہے بلکہ احرام پوش قطعی متوکلانہ زندگی بسر کرے۔

☆احرام پوش فقیر کو سوال کرنا حرام ہے خواہ فاقوں سے مر ہی کیوں نہ جائے۔

☆وارثی فقراء کو پابندیٔ وضع لازم ہے جہاں رہے آن بان سے رہے۔

(منہاج العشقیہ از شیدا وارثی۔ تعارف از بیدمؔ وارثی)

آپ کے احرام پوش فقراء نے احکاماتِ وارثی کی پوری پوری پابندی کر کے ایسی بے پناہ روحانی قوت حاصل کی جس کے بل بوتے پر بڑے بڑے خطرناک مجاہدے سر کیئے جنہیں سن کر آج رونگھٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، صرف چند نمائندہ مثالیں پیش کی جاتی ہیں:۔

ذرہ ذرہ ہے مظہرِ خورشید

جگن بی بی وارثیہ: آپ جگن بیٹھی کے نام سے مشہور تھیں، دائمی روزہ دار تھیں، سرکار سے جب احرام ملا تو ساتھ ہی یہ حکم بھی ملا کہ:

''خدا رازق ہے، ٹانگیں توڑ کر اسی کے بھروسے پر بیٹھی رہو۔'' چنانچہ مستقل ایک ہی

جگہ پر بیٹھ کر تیس سال گزار دیئے۔ آخر اسی حالت میں واصل بحق ہو گئیں۔

ع کلاہِ گوشۂ دہقان بہ آفتاب رسید

زندگی میں اگر کوئی پوچھتا تھا کہ جن بیٹھی! آپ اٹھتی کیوں نہیں؟ تو آپ جواب دیتیں کہ: ''سرکار نے ایسا بوجھ ڈالا ہے کہ اٹھا ہی نہیں جاتا۔''

علامہ رضی الدین بغدادی: عراق سے کسی تقریب میں ہندوستان آئے تھے، کٹر ملا تھے، وارثِ پاک پر اعتراضات کا طومار لے کر دیوہ شریف پہنچے۔

ے کہتے تھے کہ یوں کہتے، یوں کہتے جو وہ آتا
سب کہنے کی باتیں ہیں، کچھ بھی نہ کہا جاتا

نظر سے نظر ملی...... پڑھانے والے نے آنکھوں ہی آنکھوں میں نہ جانے کیا پڑھا دیا کہ اپنے جسم سے عالمانہ لباس پھاڑ کر پھینک دیا۔

ے جگر خراش ہے حال ان شکستہ حالوں کا
جنہیں مٹا کے رہا حوصلہ خیالوں کا

بحکم سرکار بیٹھے پرانے جوتوں کی مرمت کیا کرتے تھے اور کبھی کسی سے اپنی علمیت کا ذکر تک نہ کرتے تھے۔

ے دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی (اقبال)

چپ شاہ وارثی: لکھنؤ میں قیام فرما تھے، سرکار نے احرام دے کر خاموش رہنے کا حکم فرما دیا۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں انہیں دشمن کا جاسوس سمجھ کر سنگینوں سے چھلنی کر دیا گیا مگر آپ نے اُف تک نہ کی اور مرشدِ برحق کی لگائی ہوئی مہر خاموشی نہ توڑی۔

ے چپ ہو گئے یوں اسیر جیسے
سب جھگڑے تھے بال و پر کے

گلاب شاہ وارثی: کٹرہ مداری خاں، آگرہ میں قیام فرماتھے چوالیس سال سے ایک ہی نشست پتھر سے ٹیک لگائے بیٹھے بیٹھے پتھر ہو گئے تھے۔ مرشد نے نہ جانے کیا تماشۂ قدرت دکھادیا تھا کہ مجسمہ حیرت بنے، آنکھیں کھولے، ایک ہی سمت ٹکٹکی باندھے دیکھے چلے جارہے تھے۔ سرکار نے جب احرام پہنایا تھاتو جوش میں آکر یہ بھی فرمادیا تھا کہ ''اب جو کچھ خدادکھائے سو دیکھتے رہو'' چنانچہ ان کی ہیئت مجموعی سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ حضرتِ حق تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا کوئی عجیب وغریب تماشہ دیکھنے میں مشغول ہیں۔ آخر اسی حالت میں قیدِ ہستی سے آزاد ہو کر جوارِ شاہدِ حقیقی کی سیر میں مصروف ہو گئے، اس مجاہدے کی بھی دنیا میں ڈھونڈنے سے مثال نہیں مل سکے گی۔

حاجی مستقیم شاہ وارثی: آپ نے سرکار وارثِ پاک کو دیکھ کر کسی کو نہ دیکھا۔ ساٹھ سال تک اس مردِ حق بیں نے دنیا سے آنکھیں بند رکھیں آخرکار آنکھوں کی بینائی زائل ہو گئی۔ اجمیر شریف کے مشہور پہاڑ مدار ٹیکری پر قیام تھا۔ سرکار سے جب احرام عطا ہوا تو یہ حکم بھی ملا تھا کہ ''اب موجودات میں سے کسی چیز کو آنکھ کھول کر نہ دیکھنا'' چنانچہ ایک سو دس سال کی طویل عمر گذار کر آنکھوں میں جمالِ وارث لئے ہوئے ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء میں واصل بحق ہو گئے۔

؎ آؤ پیارے نین میں پلک ڈھانپ توئے لوں
نہ میں دیکھوں اور کو، نہ توئے دیکھن دوں

سوامی مرات شاہ وارثی: قوم کے پنڈت تھے، بھاگلپور سے آکر سرکار کے حلقہ بگوش ہوئے، مرشدِ کامل نے وحدت کا سبق پڑھا کر ایسی روحانی غذا کھلائی کہ دنیاوی غذا سے بے نیاز ہو گئے، آخر وقت میں تو یہ عالم تھا کہ سبز میوہ جات صرف دیکھ کر سیر ہو جایا کرتے تھے۔

؎ آپ سے ہم گزر گئے کب کے
کیا ہے ظاہر میں گو سفر نہ کیا

آخر اسی لطافت کے ساتھ آپ کا وصال ہو گیا۔ الغرض دنیا میں یکجا طور پر ایسے مجاہدات کی مثال تک نہیں ملتی۔

ع کز وہر ذرہ گردد آفتابے

اس قسم کے سینکڑوں سخت ترین مجاہدات صرف باہمت احرام پوشوں کے لیے مخصوص تھے ورنہ عام وارثی مریدوں کے لئے تو سرکارِ عالم نواز کی یہ ہدایات تھیں:

☆ میری وجہ سے دنیا کو نہ چھوڑو۔

☆ تمہاری دنیاداری بھی عبادت ہے۔

☆ گھریلو ضروریات پوری کرنا، بیوی بچوں کی دلداری کرنا، نوکروں چاکروں کی پرورش کرنا، بلکہ (مسلمان کا تو) پیشاب پاخانہ کرنا، عبادت ہی ہے۔

جب کوئی دنیادار آپ سے فقیر بنانے کی درخواست کرتے ہوئے احرام کا طالب ہوتا اور اس کے والدین زندہ ہوتے تو فرماتے:

☆ ماں باپ کی خدمت کرو، یہی تمہارے واسطے فقیری ہے۔

اس کے علاوہ آپ کا یہ اعلانِ عام ہوا کرتا تھا کہ:

☆ نماز رکنِ اسلام ہے، اگر لاکھ روپے کی چیز رکھی ہو تو اس کا بھی خیال نہ کرو، بس یہی ایمان ہے۔

☆ ہر شخص پر پابندئ شریعت اور اتباعِ سنت لازم ہے۔

☆ اپنے نفس کو قابو میں رکھو، انجام کار کامیاب ہوگا، اگر نفس کی لگام ہاتھ سے چھوٹ جائے گی تو اس وجود کو سزائے دار دی جائے گی۔

☆ جس قدر ہمارے مرید ہیں وہ سب ہماری اولاد ہیں جس کو ہم سے جس قدر محبت ہے اسی قدر اپنے بھائیوں سے اتفاق ہوگا۔

☆ جب کوئی مصیبت پڑے تو ہمارا تصور قائم کرو، اگر محبت ہے تو ہزار کوس پر بھی ہم تمہارے ساتھ ہیں۔

اگر کوئی شخص کچھ ورد وظیفہ کی اجازت چاہتا تو صرف درود شریف پڑھنے کی اجازت دیتے اور سب سے زیادہ زور محبت پر دیتے۔

سلسلۂ وارثیہ میں اتحاد و محبت

اتحادو محبت-----سلسلۂ وارثیہ کالازمہ ہے۔خود سیدنا وارثِ پاک نے اسے اپنی محبت کی علامت قرار دیا ہے چنانچہ آپ کا فرمانِ عالی ہے کہ:۔

''جس قدر ہمارے مرید ہیں وہ ہماری اولاد ہیں-----جس کو جس قدر ہم سے محبت ہے،اسی قدر بھائیوں سے اتفاق ہوگا!''

گویا سب وارثیوں کا اتفاق ہی سرکار وارثِ پاک سے محبت کی دلیل ہے اس لئے جس وارثی کو اپنے پیر بھائیوں سے محبت نہیں اسے گویا سرکار وارث پاک ہی سے محبت نہیں کیونکہ-----

''بھائی بھائی سے محبت ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کو باپ سے محبت ہے-----!'' (قول وارث پاک)

سرکار کے اس ارشادِ گرامی کے مطابق ادنیٰ سے ادنیٰ وارثی بھی تمام وارثیوں کی پوری پوری محبت کا مستحق ٹھہرا ہے اور ایسا کیوں نہ ہو کہ-----''محبت کا ادب یہ ہے کہ معشوق کی جس چیز کو دیکھے اچھی معلوم ہو-----!'' (قول وارثِ پاک)

سرکار وارثِ پاک کے بتائے ہوئے اس معیارِ محبت سے یہ حقیقت ثابت ہو جاتی ہے-----مجنوں کو لیلیٰ کا کتا بھی پیارا ہوتا ہے!-----چنانچہ کوئی وارثی خواہ کیسا ہی غریب اور خستہ حال کیوں نہ ہو تمام وارثی بھائیوں کی محبت کا حقدار ہے کیونکہ آخر ہے تو وہ وارثِ پاک ہی کا-----اس کے بر خلاف خواہ کوئی کیسا ہی بڑے سے بڑا آدمی ہو اگر وہ-----لالچی-----اور-----بے نمازی-----ہے تو ایسا شخص کسی طرح بھی وارث پاک کا نہیں ہو سکتا-----کیونکہ خود وارث پاک ہی کا قول فیصل ہے کہ:

''جو طمع میں گھر جائے وہ ہمارا نہیں''

اور-----

''جو نماز نہ پڑھے وہ ہمارے حلقۂ بیعت سے خارج ہے-----!''

ے
سلیقے سے پیو بادہ کشو، آداب لازم ہے
ملا ہے تم کو پیمانہ مرے مخدوم وارث کا (اکبروارثی)

یادرہے:

ان کے پہلو میں جو میرا دلِ ناشاد رہے
پھر مرے بھولنے والے کو مری یاد رہے
سرو بن کر رہے یا صورتِ شمشاد رہے
تیرے پابند ہیں گو سب سے ہم آزاد رہے
آنکھیں وہ آنکھیں ہیں دیکھا ہو جن آنکھوں نے تجھے
دل وہی دل ہے کہ جس دل میں تیری یاد رہے
ہائے وہ وقتِ نزع ان کا تسلی دینا
اور مرا روکے یہ کہنا کہ مری یاد رہے
راس نہ آیا ہمیں دل کا لگانا بیدمؔ
ہم تو جب تک رہے اس عشق میں برباد رہے (بیدمؔ وارثی)

وارثی تعلیمات کا خلاصہ

ے
لفظ عشق ہی تنہا ترجمانِ وارث ہے
داستاں محبت کی داستانِ وارث ہے

سیدنا سرکار وارثِ پاک کی ذاتِ بابرکات عشق کا شاہکار اور محبت کا مرقع پر بہار تھی، محبت کی داستاں سناتے سناتے آپ کی زبان نہ تھکتی تھی اور عشق کا سبق پڑھاتے پڑھاتے کبھی طبیعت نہ بھرتی تھی محبت کی آبرو کو آپ جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے اور غیرتِ عشق پر آپ سب کچھ قربان کر چکے تھے، زندگی بھر آپ کی تعلیمات کا محور ہی محبت اور غیرت رہا چنانچہ فرمایا کرتے تھے:۔

۱۔محبت کرو-----اور-----۲۔کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلاؤ۔

محبت کرو: انسان کی اصل ہی محبت ہے لفظِ انسان انس سے بنا ہے، بمقتضائے انس انسان محبت کرنے پر مجبور ہے، محبت ہی سے اس کا خمیر اٹھا ہے-----اس کا نام بھی محبت کے مترادف ہے اس کا کام بھی محبت کی امانت داری ہے جیسا کہ حدیثِ قدسی میں ہے "**فاحببت** ان **اعرف فخلقت الخلق**" ترجمہ "میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔" یہاں احببت-----حب کی دلیل ہے اور اعرف (عرفان سے) پر مقدم بھی ہے، گویا محبت ہی عرفانِ الٰہی کا ذریعہ ہے، اس سے ثابت ہوا کہ محبت ہی تمام کائنات کی تخلیق کا باعث ہے اور محبت ہی وصلِ الٰہی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے محبت ہی انسان کو انسان بناتی ہے اور محبت ہی بندے کو خدا سے ملاتی ہے۔

آفتابِ رسالت ﷺ نے تو محبت کو شرطِ ایمان قرار دیتے ہوئے بار بار پرزور الفاظ میں فرمایا ہے:

"الا لا ایمان لمن لا محبۃ لہ-----الا لا ایمان لمن لا محبۃ لہ-----الا لا ایمان لمن لا محبۃ لہ"

(ترجمہ) "خبردار ہو جاؤ-----جو محبت سے محروم ہے وہ ایمان سے محروم ہے۔ ہوشیار ہو جاؤ-----جو محبت سے محروم ہے وہ ایمان سے محروم ہے۔ ہاں ہاں آگاہ ہو جاؤ-----جو محبت سے محروم ہے وہ ایمان سے محروم ہے۔"

چنانچہ آپ کا اعلانِ عام تھا "محبت کرو محبت، محبت ہی سب کچھ ہے۔" خود اپنے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ:۔

"میرے یہاں محبت ہی محبت ہے"۔

نتیجہ یہ کہ جس میں محبت نہیں وہ وارثی نہیں کیونکہ ہر وارثی کو محبت میں سے کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ملتا ہے۔

سنتے ہیں عشق نام کے گزرے تھے اک بزرگ
ہم لوگ سب فقیر اسی سلسلے کے ہیں (فراق گورکھپوری)

سرکارِ وارث پاک نے عشق کے سلسلے میں فرمایا:

''عشق میں وہ شخص کمال حاصل نہیں کرسکتا جو شرع شریف کے درجات کو آخر تک طے نہ کرے''

-----کیونکہ-----''عاشق وہ ہے جو معشوق کے ہر حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے''

-----اور-----''عاشق وہ ہے جس کی کوئی سانس معشوق کی یاد سے خالی نہ جائے۔''

اس کے علاوہ عاشق صادق کے لیے:

''معشوق کی جفا بھی عین وفا ہے''

کیونکہ

''عشق کی الٹی چال ہے جس کو پیار کرتا ہے اسی کو جلاتا ہے اور جس کو پیار نہیں کرتا اس کی بھاگ ڈھیلی کر دیتا ہے-----اس لیے عاشق کو لازم ہے کہ سر کٹ جائے مگر شکایت نہ کرے کیونکہ قاتل بھی غیر نہیں۔''

؎ طریقِ اہلِ دنیا ہے گلہ شکوہ زمانہ کا
نہیں ہے زخم کھا کر آہ کرنا شانِ درویشی

حاصل یہ کہ-----''عاشق کا ایمان رضائے یار ہے۔''-----اور ایمان-----کا جزو-----حیا-----ہے۔

ترکِ سوال: لیکن کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے سے حیاء کا خون ہو جاتا ہے----- **واللہ خیر الرازقین** -----پرسے ایمان اٹھ جاتا ہے اس لیے سرکارِ وارثِ پاک نے----- **ایاك نعبد و ایاك نستعین** (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں) کے بموجب غیر اللہ سے مدد مانگنے کی عملی طور پر یوں ممانعت فرمائی کہ:

''کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلاؤ''

بلکہ آپ کی تمام تعلیمات کا ماحصل ہی یہ تھا کہ اپنے تمام معاملات کو کارسازِ حقیقی کے سپرد کر کے حرص و طمع سے قطعی دور ہو جاؤ، چنانچہ آپ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

؎ زہد و تقویٰ چیست ؟ اے مردِ فقیر
لا طمع بودن ز سلطان و امیر (بوعلی قلندر)

(یعنی اے درویش، زہد وتقویٰ کا تقاضا تو یہ ہے کہ تو سلطان اور امیر سے بے نیاز ہو جا)

؎ جانا کسی کے پاس کسی آرزو کے ساتھ
واللہ دشمنی ہے بڑی آبرو کے ساتھ

شانِ فقر

؎ غیرت ہے طریقتِ حقیقی
غیرت سے ہے فقر کی تمامی

سرکار وارثِ پاک کی تعلیمات کا مقصدِ وحید محبتِ الٰہی اور غیرتِ ایمانی پیدا کر کے لوگوں کو فقر کی دولت سے مالا مال کرنا تھا تا کہ صحیح فقیری کی راہ ہموار ہو سکے چنانچہ اس سلسلے میں ذیل کا واقعہ بہت دلچسپ اور سبق آموز ہے:

''یہ ۱۸۵۹ء کا واقعہ ہے، اس وقت سرکارِ عالم نواز ساںڈی میں تشریف لائے ہوئے تھے اور قلعہ کی مسجد میں قیام فرماتے تھے، اس مسجد سے کچھ فاصلے پر خطیبوں والی مسجد تھی، اس میں ایک ''وارثی'' احرام پوش درویش نماز پڑھنے کے لئے آئے، ان کے ہمراہ انہی کے ایک پیر بھائی منشی رحم رحمٰن وارثی بھی تھے، جب دونوں نماز پڑھ چکے تو خدا جانے آپس میں کیا بات ہوئی کہ ایک دوسرے پر توجہ ڈالنے لگے ---- مغرب کی نماز سے عشاء کے وقت تک یہی حالت رہی کہ دونوں صاحبوں کا مقابلہ رہا ---- بالآخر منشی رحم رحمٰن بیہوش ہو کر گر پڑے ---- ادھر تو یہ واقعہ پیش آیا اور اس طرف سرکار وارثِ پاک اپنی جگہ پر اچانک اٹھ کر بیٹھ گئے اور ایک خادم سے ارشاد فرمایا کہ: ''رحم رحمٰن بیہوش ہے اسے خطیبوں والی مسجد سے اٹھا لاؤ ----''

اور احرام پوش فقیر کی بابت فرمایا کہ اسے کہنا کہ:

''تو کم ظرف ہے ---- ضبط نہیں کر سکتا اور دوسروں پر اثر ڈال کر اپنے کمال کو ظاہر

کرنا چاہتا ہے----اپنا نقصان اپنے ہاتھوں کرتا ہے----میں تجھ کو چھپاتا ہوں اور تو ظاہر ہوتا ہے!''

رحم رحمٰن صاحب سرکار میں لائے گئے، ان کو ہوش بھی آ گیا مگر سرکار کی ناراضگی احرام پوش پر کچھ اس طرح ظاہر ہوئی کہ تمام حاضرین خوفزدہ ہو گئے، آخر قدموں پر گر گر گریہ وزاری کے ساتھ معافی کی درخواست کی، خیر احرام پوش فقیر کو معافی تو ہو گئی مگر اس کے بارے میں آپ یہی فرماتے تھے کہ:

''ہم فقیر بنانا چاہتے ہیں اور یہ مشائخ بنے جاتے ہیں۔''

اسی سلسلے میں آپ نے یہ بھی فرمایا:

''توجہ ڈالنا تو ایک قسم کا تماشہ ہے، اصل توجہ تو وہ ہے کہ اگر موتی پر ڈالے تو پانی ہو جائے----اگر پتھر پر ڈالے تو خاک ہو جائے۔''

؎ نظر کی جولانیاں نہ پوچھو، نظر حقیقت میں وہ نظر ہے
اٹھے تو بجلیاں پناہ مانگے، گرے تو خانہ خراب کر دے

چنانچہ آپ کی نگاہِ فیض اثر کی یہی شان تھی کہ کسی کی نظر ملانے کی جرأت نہ ہوتی تھی جسے نظر ملا کے دیکھ لیا، بسمل کی طرح قدموں میں لوٹنے لگا۔

؎ پڑے ہے بزم میں جس شخص پر نگاہ تری
وہ منہ کو پھیر کے کہتا ہے اُف پناہ تری

چشمِ وارثؒ

؎ کیفیتِ چشم اس کی مجھے یاد ہے سوداؔ
ساغر کو میرے ہاتھ سے لیجو کہ چلا میں

سرکارِ وارثِ پاک کی آنکھیں انوارِ الٰہی کی تجلی گاہ تھیں۔ مشہور تھا کہ آپ مشاہدہ کرا دیا کرتے تھے۔ جس بات کو بڑے بڑے علماء اپنی لمبی لمبی تقریروں میں سمجھا نہ سکتے تھے، آپ ایک

نگاہِ تیز اثر سے اس بات کی حقیقت تک پہنچا دیا کرتے تھے۔آپ کی ایک جنبشِ نگاہ نے نہ جانے کتنے طالبانِ حق کی دنیا بدل ڈالی۔

؎ خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

نگاہِ ناز کی کرشمہ سازیاں

ع جادو بھرے نیناں نے مارا

اسی سلسلے میں یہ دلچسپ واقعہ ہے کہ سرکار سیدنا وارثِ پاک اناؤ کے وکیل تفضّل حسین صاحب کے یہاں تشریف فرما تھے،اسی دوران سہارنپور کے ایک مولوی عبدالمنان حاضر ہوئے اور سوال کرنے لگے کہ آپ اس سلسلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ "قیامت سے پہلے دیدارِ الٰہی حاصل ہوسکتا ہے؟" آپ نے جواب دیا کہ:۔

"مولوی صاحب! آپ کو اس آیت شریف کا علم نہیں-----**من کان فی ہذہ اعمیٰ فہو فی الآخرۃ اعمیٰ**"(جو یہاں اندھا ہے وہ وہاں پر بھی اندھا ہی رہے گا۔) یہ فرما کر آپ نے مولوی صاحب کی طرف تیز نظر سے دیکھا،نہ معلوم تیز نظر نے کیا کرشمہ دکھایا کہ مولوی صاحب بے حال ہو کر لوٹنے لگے۔

؎ ناوک لگا جگر پہ تو دل پر سناں لگی
کاری لگی نظر تری کافر جہاں لگی

مولوی صاحب ناچتے پھرتے تھے اور پڑھتے جاتے تھے:

ع جادو بھرے نیناں نے مارا

لوگ حیران تھے کہ

ع ذرا سی دیر میں دنیا بدل گئی دل کی

اور جو کوئی کہتا کہ مولوی صاحب کیوں ناچتے ہیں؟-----تو روکر کہتے-----"بھائی یہ دیکھا

بھالا سودا ہے---- جو نہ سمجھا تھا وہ سمجھا اور جو نہ دیکھا تھا وہ دیکھا، سمجھانا بیکار ہے!''

غرضیکہ آٹھ دن تک مسلسل یہی جوش و مستی کا عالم رہا، کھانے پینے کا ہوش نہ تھا، آخر کار وکیل صاحب رحم کھا کر مولوی صاحب کو ساتھ لئے سرکارِ عالی کی خدمت میں پہنچے اور عرض کہ'' یہ غریب مولوی بے آب و دانہ تڑپ رہا ہے، اللہ کرم فرمائیے!'' سرکار نے مسکرا کر پوچھا:

''مولوی صاحب! کیسا مزاج ہے؟''

مولوی صاحب اب ہوش میں آ چکے تھے عرض کرنے لگے:۔

''واللہ کائنات آپ کے انوارِ ذات سے معمور ہے بس اب تو یہ التجا ہے کہ اپنا بندہ بنا لیجئے!''

سرکار نے فرمایا:۔

''مولوی صاحب! کفر کی باتیں نہ کرو!''

مولوی صاحب نے عرض کیا:۔

''کفر ہو یا اسلام، آپ تو جلدی سے مجھے اپنی غلامی میں داخل فرمائیے۔''

؎ حیرتوں کے سلسلے سوزِ نہاں تک آ گئے
ہم نظر تک چاہتے تھے تم تو جاں تک آ گئے (قابل اجمیری)

چنانچہ سرکار عالم نواز نے مولوی صاحب کی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی بے قراری دیکھ کر اسی وقت بیعت کیا اور چند ہدایتیں دے کر رخصت فرمایا۔ (حیاتِ وارث از شیدا وارثی)

؎ تیری محفلِ ناز سے جانے والے
نگاہوں میں تجھ کو لئے جا رہے ہیں

چشمِ وارث کی مسیحائی

سرکار وارثِ پاک کے باطنی فیوض و برکات اور روحانی اثرات سے خاص و عام برابر کا فیض اٹھاتے تھے بلکہ آپ کی نگاہِ پر اثر کمزوروں، ناداروں، بروں اور بدکاروں کے حق میں زیادہ کارگر ثابت ہوئی تھی چنانچہ ہر قسم کے سالک و مجذوب، رند و پارسا، عالم و جاہل، فلسفی و منطقی، الحادی

اور نیچری ہجوم در ہجوم آپ کے پاس آتے اور حقانیت کی دولت سے دامن دل بھر لے جاتے --!

بہت سے فلاسفر جو پہلے معجزوں اور کرامتوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے جب آپ سے ملتے تو قائل ہو جاتے -----اسی طرح ہٹ دھرم، دہریئے (جو پیغمبر تو کیا خدا تک کے قائل نہ تھے) آپ کو دیکھتے ہی خدا پر ایمان لے آتے -----آپ کی ولایت کی تاثیر تھی کہ جس بستی میں آپ پہنچتے تھے وہاں کے چھوٹے بڑے سب لوگ آپ کی طرف کھینچے چلے آتے تھے۔آپ کوئی دوا نہ دیتے تھے مگر ایک اشارے میں مریضوں کی صحت ہو جاتی تھی آپ کی زبان فیض ترجمان میں تاثیر مسیحائی تھی-----چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ جب آپ-----چندر گڑھ-----میں رونق افروز ہوئے تو وہاں ایک بیمار خاکروب بھی بڑی عقیدت سے حاضر ہوا-----مگر دور ہی سے سلام کر کے آہ وزاری کرنے لگا-----اسے جزام کا مرض لاحق تھا اس لئے قریب نہ آتا تھا اور دور کھڑا روتا، چلاتا تھا:

''میاں۔اب میرا ہاتھ کون پکڑے گا سب کے مولا تو آپ ٹھہرے!-----مجھے کون قبول کرے گا۔''

دو دن برابر اسی طرح تڑپتا رہا آخر آپ کا دریائے رحمت جوش میں آیا-----مضطرب ہو کر آپ نے فرمایا:

-----''میں تجھے اپنی آنکھوں کے ذریعے مرید کرتا ہوں!'' -----مجھے اچھی طرح دیکھ لے-----یہ کہہ کر آپ نے اپنا رخ روشن اسکی طرف پھیر دیا چنانچہ رب نے ایسی مسیحائی دکھائی کہ آپ کی ایک نظر کی تاثیر سے اس کی صحت عود کر آئی! دیکھتے ہی دیکھتے سب زخم بھر گئے -----موذی مرض سے نجات پائی-----دولت دارین مفت میں ہاتھ آئی -----صحت یاب ہو کر خاکروب عالم جوش ومستی میں سرکارِ والا کے قدموں میں لوٹا جاتا تھا-----یہ منظر بھی قابلِ دید تھا!!! (عین الیقین از سید عبدالآد شاہ وارثی)

ع نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

۱۹۰۱ء کا واقعہ ہے کہ سردار علی صاحب صابری ----- لکھنؤ کے ایک کالج میں طالب علم تھے ----- وہ بیان کرتے ہیں کہ ----- مجھے ترکی زبان سیکھنے کا شوق پیدا ہوا، اس زمانہ میں مولانا سید کاظم علی صاحب مشہور ماہرِ زبانِ ترکی تھے، مگر نہایت کم سخن اور تنہائی پسند بزرگ تھے کسی کو قریب پھٹکنے نہ دیتے تھے۔ اپنے کمرے کا دروازہ بند کئے تنہا پڑے رہتے تھے۔ بہر حال علم کی سچی طلب تھی اس لئے دو ماہ کی مسلسل جد و جہد کے بعد مولانا کو رضامند کر ہی لیا، اس کے بعد تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا، اس وقت معلوم ہوا کہ مولانا ظاہر میں جس قدر خشک مزاج اور سخت گیر تھے، باطن میں اسی قدر خوش مزاج اور مہربان تھے البتہ یہ ضرور ہوتا تھا کہ باتیں کرتے کرتے وہ اچانک کھو جاتے تھے ----- آہیں بھرتے تھے ----- اور ''یا وارث'' کا نعرہ لگاتے تھے، اس کے علاوہ اٹھتے بیٹھتے ہر وقت ''یا وارث'' کہتے رہتے تھے ----- تھوڑی تھوڑی دیر بعد آنکھیں نمناک ہو جاتی تھیں اور بڑی عقیدت سے جھوم جھوم کر ----- سیرتِ وارث ----- سے واقعات سنانے لگتے تھے۔ حضرت حاجی وارث علی شاہؒ سے یہ شیفتگی اور عقیدت مندی دیکھ کر مجھ سے رہا نہ گیا اور ایک دن میں نے مولانا سے پوچھ ہی لیا کہ ----- ''جناب! آپ کا سارا خاندان تو کٹر قسم کا شیعہ ہے پھر آپ قبلہ حاجی صاحب سے اس قدر زیادہ عقیدت کیونکر رکھتے ہیں؟'' ----- پہلے تو مولانا نے بات ٹالنے کی کوشش کی مگر میرے بے حد اصرار پر مولانا نے اپنی آپ بیتی سنائی -----!

''عین جوانی کے عالم میں جب مولانا عربی، فارسی اور دینیات کی تعلیم مکمل کر چکے تو اچانک ایک حسین طوائف کو دیکھ کر متاعِ عقل و ہوش کھو بیٹھے، اس کے عشق میں مبتلا ہو کر گھر کی ساری دولت گنوا بیٹھے، جب کچھ پاس نہ رہا تو عاملوں اور جادوگروں کے چکر میں پڑ کر اسے حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگے مگر مطلوب پھر بھی حاصل نہ ہوا تو مولانا نے خود جادو سیکھنے کا فیصلہ کیا ----- بنگال کا جادو مشہور تھا ----- چنانچہ لکھنؤ کو خیر آباد کہہ کر بنگال پہنچے اور پھر چٹا گانگ،

سلہٹ اور آسام کے پہاڑی جنگلات میں گھوم گھوم کر جادو سیکھنے لگے-----آخر کار سات سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد یہ کمال حاصل کر لیا کہ-----کسی بھی ذی روح کو مسخر کر سکتے تھے-----مگر اس عرصہ میں نماز، روزہ تو دور کی بات ہے، کلمہ تک بھول چکے تھے-----حرام-----مردار اور ہر قسم کی گندگی کھاتے پیتے رہتے تھے گویا پکے جادوگر بن چکے تھے-----قدرت بھی عجب تماشا دکھاتی ہے۔''

اس تمام جادوئی چکر کے بعد تمام شیطانی حربوں سے مسلح ہو کر جب لکھنؤ پہنچے تو وہ طوائف مر چکی تھی جس کی تمنا میں انہوں نے متاعِ دین و دنیا لٹادی تھی، اس طرح جب اپنے شہر آرزو کو برباد پایا تو رہی سہی عقل بھی جاتی رہی۔ دیوانے ہو کر گلی کوچوں میں مارے مارے پھرنے لگے-----ایک گندا سا تھیلا ہاتھ میں ہوتا جس میں جادو کا سامان رہتا تھا۔

دن گزرتے رہے آخر کار ایک دن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ان کا گزر ''دیوے شریف'' کی طرف ہوا۔ وہاں پہنچ کر، آپ کا سامنا-----سرکار وارثِ پاک-----سے ہو گیا۔

خود مولانا کا بیان ہے کہ سہ پہر کا وقت تھا، آستانۂ عالیہ میں حاجی صاحب قبلہ دونوں ہاتھوں سے گھٹنوں کا حلقہ کئے ہوئے زمین پر بحالت مراقبہ رونق افروز تھے!-----بغیر نظر اٹھائے حاجی صاحب نے دریافت فرمایا:۔

''کون ہے؟''

مولانا نے جواب دیا:-----''میں جادوگر ہوں''

یہ سن کر سرکار عالم نواز نے آنکھیں کھولیں-----کنکھیوں سے دیکھا اور فرمایا:-----''کیسے جادوگر ہو؟''

مولانا نے زعم میں جواب دیا:-----بہت بڑا جادوگر؟

سرکار نے فرمایا:-----''خوب جادو جانتے ہو؟''

عرض کیا:-----''جی ہاں! اس وقت میری ٹکر کا جادوگر موجود نہیں!''

ارشاد ہوا:-----''اچھا ہمیں بھی اپنا جادو دکھاؤ''

اس وقت خانقاہ کے سامنے سے ایک بھینس گزر رہی تھی، انہوں نے اس پر جادو کیا -----بھینس گر پڑی اور خون اگلنے لگی-----حاجی صاحب یہ خونی منظر دیکھ کر بے قرار ہو گئے اور فرمانے لگے:

''یہ تو بڑا ظلم ہے-----یہ تو بڑا ظلم ہے-----اسے ٹھیک کرو-----اسے ٹھیک کرو۔''

انہوں نے اپنا جادو واپس لے لیا-----اور بھینس کمزوری کی حالت میں بمشکل اٹھی اور نڈھال سی ایک طرف کو چلی گئی-----!

اب سرکارِ عالی وقار پر جلال کا عالم طاری ہو چکا تھا، آپ نے برجستہ فرمایا:

''اچھا مجھ پر تو جادو کرو!''

مولانا بھی جادو کے زعم میں بھرے بیٹھے تھے-----فوراً تیار ہو گئے-----خود بتاتے تھے کہ-----حاجی صاحب بدستور اس وقت تک دونوں ہاتھوں کا حلقہ بنائے بیٹھے رہے، چنانچہ میں نے پہلے نیچے رکھے ہوئے سیدھے ہاتھ پر جادو کیا جو بے اثر ثابت ہوا-----چنانچہ میں نے الٹے ہاتھ پر پہلے سے زیادہ زوردار جادو کیا-----مگر وہ بھی بے اثر رہا-----اس کے بعد میں جھلا جھلا کر حاجی صاحب قبلہ کے مختلف اعضاء پر جادو کرنے لگا-----حاجی صاحب ہر بار یہی فرماتے تھے:

''تم کیسے جادوگر ہو، مجھ پر جادو نہیں کرتے۔''

آخر کار میں نے جھنجھلا کر سرکارِ پرانوار کے بیچ قلب پر شدید ترین وار کیا----- مولانا کا بیان ہے معاً وہاں پر ایسی برق کوندی کہ خود میری آنکھیں چکا چوند ہو کر رہ گئیں----- پہلی بار مجھ پر ہیبت طاری ہوئی-----لیکن ابھی ایک مرحلہ باقی تھا-----چنانچہ عرض کیا کہ:

-----''جناب آپ کی آنکھوں پر وار کرتا ہوں۔''

آپ نے فرمایا-----''اجازت ہے-----اجازت ہے!''

مولانا کا بیان ہے کہ جسم کے اس نازک ترین حصے پر میں نے اپنے سات سالہ ریاض کا سخت ترین وار کیا-----معاً سرکارِ اقدس نے دونوں ہاتھ گھٹنوں سے اٹھائے-----آنکھیں کھولیں اور یہ فرماتے ہوئے کہ-----"تم کیسے جادوگر ہو؟"-----مجھے تیز نظر سے دیکھا-----بس ان کا دیکھنا تھا کہ

؎ چمک کے ابر سے عالم پہ گر پڑی بجلی
یہ کس نے پردے سے جھانکا ذرا خبر لینا

دل کی دنیا تہ و بالا ہو گئی!-----آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا

ع پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

جب ہوش آیا تو میں نے دیکھا کہ میں سرکارِ عالی قدر کے قدموں میں گرا پڑا ہوں اور بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہا ہوں-----دل و دماغ سب آنسو بن کر بہہ جانے پر آمادہ نظر آتے تھے-----اس طرح سب کثافت دھل گئی-----مطلعِ قلب و نظر صاف ہو گیا-----آخر کار سرکارِ عالی وقار نے اپنا دستِ مبارک پیٹھ پر پھیر کر مجھے دلاسہ دیا-----اور اپنے قدموں سے اٹھا کر کلمۂ طیبہ پڑھایا۔

اب مغرب کا وقت قریب تھا، ارشاد ہوا کہ:

"جاؤ نہا کر آؤ-----نماز پڑھو-----جادو بری چیز ہے-----درود شریف پڑھا کرو۔!"

چنانچہ اس دن نماز میں وہ مزہ آیا کہ آج بھی اس لطف کو ترستا ہوں۔

؎ یہ زندگی، زندگی نہ سمجھو کہ زندگی سے مراد ہیں بس
وہ عمرِ رفتہ کی چند گھڑیاں جوان کی محفل میں کٹ گئی ہیں

اس کے بعد سرکار وارثِ پاک کے دستِ حق پرست پر میں باقاعدہ بیعت ہوا-----اب پورے طور پر تائب تو ہو ہی چکا تھا-----سرکار کی توجہ سے جادو بھی یکسر بھول گیا۔

ع بھلی ساعت میں آئی دولتِ ایمان ہاتھوں میں

-----اس وقت میں نے مولانا سے ازراہِ مذاق پوچھا کہ-----کبھی وہ بھی یاد آتی ہیں جنہیں ہماری استانی بنانے کی حسرت آپ کے دل میں رہ گئی تھی؟

مولانا نے جواب دیا کہ:

''سرکار وارثِ پاک کی نگاہوں میں سب کچھ دیکھ لیا -----سب کچھ مل گیا-----کوئی تمنا اور حسرت باقی نہ رہی ۔'' (مشکوٰۃ حقانیت)

جسے اک نظر میں وہ مل گیا اسے عمرِ خضر سے کیا غرض
وہی لمحہ بھر کی ہے جستجو جو ہزار سال کی بات ہے

نورانی شخصیت

حقیقت یہ ہے کہ سرکار وارثِ پاک پیکرِ جمالِ الٰہی تھے-----دور سے مجسم شعلۂ طور نظر آتے تھے اور قریب سے فراوانی انوار کے سبب دیکھے نہیں جاتے تھے----- انوار و تجلیات کا یہ عالم تھا کہ چہرے پر نظر نہیں ٹھہرتی تھی-----کسی کو آنکھ ملانے کی جرأت نہ تھی -----آپ کا نورانی ہیولہ ہر مجمع میں ممتاز و سر بلند نظر آتا تھا-----حاضرین آپ کے قدموں میں لوٹے جاتے تھے اور معتقدین آپ کے نقشِ قدم پر مٹے جاتے تھے-----ہر خاص و عام آپ کے باطنی کمالات کا قائل تھا-----دنیا بھر کی عظیم شخصیتیں آپ کی روحانی طاقت کی معترف تھیں۔ (انوارِ اولیاء از سید رئیس احمد جعفری)

وارثی رنگ

وارث البیلا چھیل چھبیلا ، لوٹ لیا سنسار

گورا مکھڑا دکھا کے

پھر پچکاری ، موہے ماری ، خوب کیا گلنار

وارث ہولی کھلا کے

گورے بدن پر پیلی چنریا ، جیسے بسنت بہار

آئے پھول کھلا کے

بانکی نجریا ، آری کٹاری ، ہو گئی دل کے پار

کاوش نیناں لڑا کے

آفتابِ ولایت کے حضور علماء و مشائخ کا خراجِ تحسین

آفتابِ سلسلۂ رزاقیہ

شمال ہند کے مشہور بزرگ حضرت نوری میاں مارہروی کے خلیفہ حاجی سراج الدین صاحب امام مسجد لوہا منڈی آگرہ نے اپنے شیخ کا قول تحریر فرمایا ہے کہ:

''حاجی وارث علی شاہ اپنے وقت کے یکتا اور سلسلۂ رزاقیہ میں آفتاب ہیں۔''

(مشکوٰۃ حقانیت از فضل حسین صدیقی)

آفتابِ ہندوستان

مولوی احمد حسین صاحب ساکن رہرا موٗ ضلع بارہ بنکی کے بھائی صاحب جب حج پر جانے لگے تو حاجی صاحب قبلہ کی خدمت میں الوداعی سلام کے لئے حاضر ہوئے، حضرت نے فرمایا کہ:

''میرا سلام حاجی امداد اللہ (مہاجر مکی) کو پہنچانا ----- وہ ایک موقع پر میرے ساتھ تھے ----- اب مکہ معظمہ میں رہتے ہیں۔''

ان کا بیان ہے کہ جب میں نے آپ کا سلام پہنچایا تو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی پر ایک خاص کیفیت طاری ہوگئی ----- اور ان کے آنسو نکل آئے جواب میں آپ نے فرمایا کہ:

''میری جانب سے ہندوستان کے آفتاب سے درخواست کرنا کہ میرے حق میں بہبودی کی دعا کریں کیونکہ میرا وقت قریب ہے۔''

چنانچہ جب میں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ پیغام پہنچایا تو سرکارِ انور نے ارشاد فرمایا:

''حاجی امداد اللہ صاحب خود ولی کامل ہیں انہیں کسی کی دعا کی کیا ضرورت ہے۔''

(مشکوٰۃ حقانیت از فضل حسین صدیقی)

موحّدِ اعظم

حضرت مولانا شاہ سلیمان قادری چشتی پھلواری تحریر فرماتے ہیں کہ خود مجھ سے حاجی الحرمین حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے فرمایا کہ: "حاجی وارث علی شاہ جیسا "موحّد" پھر دیکھنے میں نہیں آیا"۔

شمالی ہند کے مشہور صاحبِ کشف و کرامت بزرگ شاہ منعمؒ کے سجادہ نشیں شاہ فضل حسین وارثی حج پر گئے تو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے مکان پر قیام کیا جہاں مولوی رشید احمد گنگوہی سے ان کی بحث ہو گئی کہ شیخ کامل -----صورت و سیرت -----بدل سکتا ہے، گنگوہی صاحب اس کی تردید کرتے تھے حاجی امداد اللہ صاحب یہ سب کچھ خاموشی سے سنے جاتے تھے، آخر ظہر کا وقت آ گیا، جب سب اٹھ کر حرم شریف کو چلے تو یہ کرشمۂ قدرت نظر آیا کہ لوگ پروانہ وار-----شاہ فضل حسین صاحب وارثی-----پر گرنے لگے اور خود انہیں کو -----حاجی وارث علی شاہ-----سمجھ کر عزت افزائی کرنے لگے، مریدین معتقدین پوچھتے تھے کہ-----"سرکار آپ کب تشریف لائے؟"-----یہ خود سخت حیران تھے۔

کچھ اور ہی اب صورتِ حالات کھے ہے

جو ہم سے ملے ہے وہ تری بات کھے ہے

بعد نماز ظہر اسی حالت میں جب سب مکان پر واپس آئے تو اب حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نے فرمایا:

"لیجئے آج-----حاجی صاحب-----نے یہ بھی حل کر دیا کہ شیخ کامل اپنی صورت بدلنا تو ایک طرف رہا-----اپنے مرید کی بھی صورت بدل سکتا ہے۔"

(مشکوٰۃ حقانیت از فضل حسین صدیقی الوارثی)

وارث مجھ میں میں وارث میں

ہے روزِ الست سے اپنی صدا ، وارث مجھ میں میں وارث میں
وہ رمزمرا ، میں بھید اس کا ، وارث مجھ میں میں وارث میں
دریا سے وجودِ قطرہ ہے ، قطرے سے نمودِ دریا ہے
دریا قطرہ ،قطرہ دریا ، وارث مجھ میں میں وارث میں
وہ نقطۂ خط ،تقدیر ہوں میں ، وہ خامہ ہے تحریر ہوں میں
میں صورت ہوں اور وہ معنیٰ ، وارث مجھ میں میں وارث میں
وہ راز ہے پردۂ راز ہوں میں ، وہ زمزمہ ہے اور ساز ہوں میں
ہے میری حقیقت آئینہ ، وارث مجھ میں میں وارث میں
وہ چمن ہے اس کی بہار ہوں میں ، وہ بہار ہے رنگِ بہار ہوں میں
وہ شمع ہے اور میں اس کی ضیا ، وارث مجھ میں میں وارث میں
دیدار کی دھن میں صبح و مسا ، بیدمؔ مجھے خوں روتے گزرا
حیرت چھائی جب یہ دیکھا ، وارث مجھ میں میں وارث میں

علمائے فرنگی کی خوش اعتقادی

سند المحدثین ،فخر المتوکلین حضرت مولانا قیام الدین صاحب فرنگی محلی تحریر فرماتے ہیں کہ:

''علمائے فرنگی محل ---- حاجی صاحب قبلہ کو کاملین میں اعتقاد کرتے تھے، میں نے خود اپنے والدِ بزرگوار حضرت مولانا عبدالوہاب قدس سرہ العزیز اور مولانا عبدالغفار صاحب فرنگی محلی کو حاجی صاحب کی شان میں رطب اللسان پایا ---- مولوی کرامت اللہ صاحب اور مولوی وحید اللہ صاحب فرنگی محلی کو حاجی صاحب سے بیعتِ ارادت تھی۔'' (مشکوٰۃ حقانیت)

فرنگی محل کے مشہور عالم حضرت مولانا عبدالاحد صاحب مہتمم مدرسہ چشمۂ رحمت غازی

پورتحریرفرماتے ہیں کہ:

''میں نواب حسین میاں والیِ ریاست منگرول کی دعوت پر کاٹھیاواڑ جارہا تھا، ریل گاڑی جب ''سوجد'' نامی اسٹیشن پر پہنچی تو ایک انگریز صاحب بہادر میرے ڈبے میں آکر بیٹھ گئے، تعارف ہوا، یہ معلوم کرکے کہ میں لکھنؤ کا رہنے والا ہوں-----مجھ سے پوچھنے لگے کہ-----حاجی صاحب-----کو بھی جانتے ہو؟-----میں نے کہا-----بچپن میں زیارت کی تھی-----صاحب بہادر نے جب حاجی صاحب کی کرامت معلوم کی تو میں نے کہا کہ-----یہی کرامت کیا کم ہے کہ-----غیر مذاہب کے لوگ ان کے مرید ہوئے ہیں-----میں نے خود پنڈت رام پرشاد صاحب ڈاکٹر جیل خانہ جات آگرہ سے ملاقات کی ہے-----لمبی داڑھی-----نورانی صورت-----چپکے چپکے-----درود شریف پڑھتے رہتے تھے-----پابندی سے نماز پڑھتے تھے اور تلاوتِ کلامِ پاک بھی کرتے تھے-----بے تکلفی ہونے پر مجھے بتایا کہ-----میں مسلمان ہوں اور حاجی صاحب قبلہ کا مرید ہوں-----!''

یہ واقعہ سن کر صاحب بہادر کا اشتیاق اور بڑھ گیا تو میں نے اپنے گھر کا واقعہ سنایا کہ میرے ماموں کی ایک کھلائی تھی، اس کی بہن حج پر گئی، وہاں سے واپس آکر کہنے لگی کہ-----مکہ معظمہ میں حاجی صاحب کی مرید ہوگئی ہوں-----لوگ اسے دیوانہ سمجھنے لگے کیونکہ بقرعید کے موقع پر تو حاجی صاحب قبلہ خود گدیہ (بھارت) میں موجود تھے-----مگر وہ اصرار کرتی تھی جس پر خود مجھے بھی تعجب ہوتا تھا-----یہ سن کر صاحب بہادر سے رہا نہ گیا، حیرت سے پوچھنے لگے کہ-----واقعی کیا آپ کو اب بھی تعجب ہے؟-----اس پر میں نے کہا کہ-----بے شک مجھے تعجب ہے!

اس پر صاحب بہادر نہایت جوشیلے لہجے میں بولے:۔

''مجھے آپ کے تعجب پر تعجب ہے-----خدا کی قسم حاجی صاحب قبلہ ایک آن میں مختلف مقامات پر بہت سے آدمیوں کو مرید کرلیا کرتے تھے، ثبوت کے طور پر صاحب بہادر نے

خود اپنی زندگی کے حیرت ناک واقعات سنا کر بتایا کہ----میں خود فرانسیسی ہوں اور اسی طرح بمعہ اپنی والدہ کے حاجی صاحب قبلہ کے دستِ حق پرست پر مسلمان ہو کر مرید ہوا ہوں!"

(مشکوٰۃ حقانیت)

وارث پاکؒ کے حضور علامہ اقبال کی بے زبانی

علامہ اقبال کو "چشمِ وارث" نے کوئی ایسا عجیب وغریب کرشمہ دکھا دیا تھا کہ اسے تحریر نہ کرنے کی وجہ بتاتے ہوئے، مولف "مشکوٰۃ حقانیہ" کو علامہ اقبال تحریر کرتے ہیں کہ:

"وہ واقعہ نہایت حیرت ناک ہے اور دنیا میں کوئی شخص اسے صحیح تسلیم نہ کرے گا----!"

(مشکوٰۃ حقانیت)

خبر نہیں سرکار وارثِ پاک کی نظرِ عنایت نے علامہ اقبال کے قلب پر کس روحانی تجلی کا انکشاف کیا تھا جس سے علامہ اس درجہ متاثر ہوئے کہ اس واقعہ کی اشاعت تک کی اجازت نہیں دی اور اس راز کو اپنے سینے ہی میں لے گئے۔

اگر خموش رہوں میں تو تو ہی سب کچھ ہے
جو کچھ کہوں تو ترا حسن ہو گیا محدود

دربارِ وارثؒ میں سرسید احمد خاں کی گریہ وزاری

جس زمانہ میں سرسید احمد خاں پر کفر کے فتوے لگائے جا رہے تھے اور مسلمانوں کی اکثریت ان کے خلاف ہو چکی تھی----اسی زمانے میں----حاجی وارث علی شاہ ----علی گڑھ تشریف لائے----سرسید نے حاجی صاحب قبلہ سے تنہائی میں ملنے کی اجازت چاہی جو منظور کر لی گئی----چنانچہ رات گئے سرسید آئے----دروازے پر دستک دی----خادم نے اندر سے پوچھا----کون؟----سرسید نے جواب دیا---- شیطان!----سرکارِ عالی وقار نے فرمایا----آنے دو!----چنانچہ دروازہ کھول دیا

گیا----سرسید داخل ہوئے-----جیسے ہی سرکار وارثِ پاک پر نظر پڑی----سرسید اپنے آپ کو سنبھال نہ سکے-----بیٹھتے ہی سرسید پر گریہ وزاری کا عالم طاری ہو گیا-----رو کر عرض کرنے لگے کہ-----"لوگ مجھے کافر کہتے ہیں!"-----آپ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

"غلط کہتے ہیں-----سید کبھی کافر نہیں ہوتا۔"

اس کے بعد آپ نے سرسید سے تفصیلی طور پر باتیں سنیں اور ارشاد فرمایا-----مجھے انگریزی تعلیم سے اختلاف نہیں مگر محبت-----اخلاص-----اور طلبِ روحانیت شرط ہے-----!

(مشکوٰۃ حقانیت)

جوہر میں اگر ہو لا الہ تو کیا خوف
تعلیم اگر ہو فرنگیانہ! (اقبال)

اکبر کا منظوم خراجِ عقیدت

پتہ نہیں تھا مجھے کون ہوں کہاں ہوں میں
ملی نہیں تھی کبھی اپنے مبتدا کی خبر

بھٹکتا پھرتا رہا، جا بجا کی چھانی خاک
ہوا ادھر نہ ادھر، رہ گیا خیال ادھر

کہیں ہوا نہ مرا مقصدِ دلی حاصل
کسی جگہ نہ لگا نخلِ آرزو میں ثمر

باتفاق سلیمان شہ کی کوٹھی پر
بڑے بزرگ کہیں سے ہوئے مقیم آ کر

تمام شہر میں شہرت ہوئی جو آنے کی
کسی نے مجھ سے بھی آ کر کہا کہ چل اکبرؔ

غرض گیا تو وہاں جا کے دیکھتا کیا ہوں
ہے اک سجے ہوئے کمرے میں مخملی بستر

خود اس پہ بیٹھے ہوئے تھے بندھا ہوا احرام
ادھر ادھر کھڑے خدام ہلا رہے تھے چنور

ضعیف عمر، نہایت حسین، زود کلام
سخن سے معجزے پیدا، نگاہِ جادو گر

شبیہہ پاک پہ یہ شبہ تھا کہ دنیا میں
جھلک دکھاتا ہے وارث علی سے مل جل کر

کئے ہوئے کئی حج اور ملک ملک کی سیر
لئے ہوئے وہ خزانہ کہ کل فدا جس پر

مہک رہا تھا وہ کمرہ تمام خوشبو سے — دمک رہا تھا تجلی سے اس کی سارا گھر
مرے دماغ میں بو تھی بھری تو ہب کی — تو پاؤں میں مرے ملانہ پن کا تھا چکر
نہ تھی نگہ مری ان کی دید کے قابل — کہ عکسِ ذاتِ خدا ہے عیاں بشکلِ بشر
یہاں سے جاکے بہت دن میں پھر خدا کی شاں — علی گڑھ آئے یہ مولا علی کے لختِ جگر
وہاں ہیں آپ کے اک جانثار قطبِ جہاں — امین وارثی، حافظ حسن، فرشتہ سیر
انہوں نے مجھ کو بلا کر کیا حضور میں پیش — حضور نے مجھے دیکھا بغور اور ہنس کر
کہا کہ آج تو آیا ہے اتنے دن کے بعد — کہاں گئے وہ جو پہلے خیال تھے ابتر
خیالِ فاسدہ سے اپنے ہو کے شرمندہ — جھکا لیا جو خجالت سے میں نے اپنا سر
گرا کے زانو پہ، مکہ کیا کمر میں رسید — پکڑ کے ہاتھ لگا دی نگاہ کی ٹھوکر
بتا دیا مجھے جو جان بوجھ سے تھا الگ — دکھایا مجھے جو دیکھنے سے تھا باہر
اٹھا دیا من و تو کا حجاب آنکھوں سے — پڑھا دیا انا فی کل شئی کا ڈیڑھ انچھر
اگر ہزار سمندر کی روشنائی ہو — اس آفتاب کی توصیف ہو نہ ذرہ بھر

(ریاضِ اکبر از خواجہ محمد اکبر وارثی میرٹھی)

حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی کا نذرانۂ عقیدت

میں نے خود حاجی وارث علی شاہ کی زیارت کی ہے، ہزاروں ہندو آپ کے اثرِ روحانی سے مسلمان بنے جن میں بڑے بڑے تعلقدار، جج اور بیرسٹر شامل ہیں----آپ کی بزرگی کی شہرت ایشیا، افریقہ اور یورپ کے باشندوں تک پھیلی ہوئی تھی، روس اور جرمنی کے باشندے بھی حاجی صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوکر بیعت ہوئے۔ سب سے بڑی چیز جو آپ کے اندر موجود تھی وہ آپ کی----قوتِ باطنی تھی----جس کے زور سے بیمار تندرست ہو جاتے تھے----مفلسوں کو تونگری حاصل ہوتی تھی اور بھٹکتے ہوؤں کو راہِ خدا ملتی تھی----آپ کسی سے یہ نہ کہتے تھے کہ مسلمان ہو جاؤ----نہ ہی مذہبی بحث مباحثہ کرتے تھے بلکہ آپ تو مشاہدہ

کرادیا کرتے تھے۔

(ماخوذ از فائل دعوتِ اسلام از خواجہ حسن نظامی)

اخبار ''الوکیل'' دہلی، ۲۷ جنوری ۱۹۰۹ء کا خراجِ تحسین

''حاجی صاحب قبلہ کی نظرِ کرم سے علی گڑھ کے ایک ہندو وکیل ایسے اچھے مسلمان ہوئے کہ سینکڑوں علماء و مشائخ کو ان کے زہد و تقویٰ پر رشک ہے۔''

یہ ہندو تھے----جناب ''بابو کنہیا لال عرف غلام وارث''----جنہوں نے سرکار وارثِ پاک کا مرید ہو کے مسلسل چودہ سال تک روزے رکھے----سارے خاندان سے جدا ہو کر علیحدہ مکان میں دن رات عبادت و ریاضت کیا کرتے تھے جب وصال ہوا تو ان کے ہندو بیٹے میت کے وارث بن کر جنازہ لینے کے لئے آئے مگر----اب ان کا اصل وارث تو کوئی اور ہی تھا----لہٰذا کوشش کے باوجود ساری قوم ہنود سے جنازہ اٹھائے نہ اٹھا مگر جب وکیل صاحب مرحوم کے پیر بھائی حضرت حافظ حسن خاں کے صاحبزادے مبارک حسن وارثی علی گڑھی نے جنازے کو ہاتھ لگایا تو صرف چار مسلمانوں سے جنازہ اٹھ گیا، یہ دیکھ کر دعویدار سخت شرمندہ ہوئے اور ہاتھ ملتے ہوئے واپس لوٹ گئے----مولوی سلامت اللہ مفتی اعظم علی گڑھ کی سرکردگی میں تجہیز و تکفین ہوئی۔

شہنشاہِ خمریات، ریاض خیرآبادی وارثی، مدہوشِ میخانہ وارث، کا ترانہ عقیدت

آنکھیں کھل جائیں جو ظاہر ہو مقامِ وارث
کان ہو جائیں جو سن لے کوئی نامِ وارث

جامِ کوثر کو نہ واعظ سرِ محفل چھلکا
ہم قدح خوار پئے بیٹھے ہیں، جامِ وارث

دھوپ پڑنے نہیں دیتا ہے ادب سے خورشید
سایۂ عرشِ بریں ہے سرِ بامِ وارث

ہو محبت تو نہیں کافر و دیندار میں فرق
ہے یہی عشق کے بندوں کو پیامِ وارث

گل پئیں دھو کے نسیمِ سحری کے تلوے
یہ مدینے کو جو لے جائے سلامِ وارث

صدقہ میں ساقیِ کوثر کے دعا ہو یہ قبول — نزع میں پیاس بجھائے مئے جامِ وارث
نگہِ لطف کا طالب ہے ریا کار ریاضؔ — گو ریا کار ہے لیکن ہے غلامِ وارث

(پیغامِ اتحاد از حیات وارثی لکھنوی)

ملک غلام محمد گورنر جنرل پاکستان کی درگاہِ وارثؒ پر حاضری

آفتابِ ولایت جس وقت نصف النہار پر چمک رہا تھا، غلام محمد مرحوم کی نوعمری اور طالبِ علمی کا زمانہ تھا----شہرت سن کر درِ وارث پر حاضر ہوئے اور خادم کے ذریعہ اندر کہلوایا کہ----آپ کا غلام آیا ہے اور باریابی کی اجازت چاہتا ہے----حضرت نے جواب عطا فرمایا کہ:

''ہمارا غلام تو بادشاہ ہوتا ہے----کہدو کہ چلا آئے!''

آپ کی زبان حق بیان سے نکلے ہوئے الفاظ مقبولِ بارگاہِ الٰہی ہوا کرتے تھے----چنانچہ جو کہہ دیا سو ہو گیا!

ذرے آفتابِ ولایت کی بارگاہ میں

آفتابِ ولایت حاجی وارث علی شاہؒ کو جو ایک بار دیکھ لیتا تھا، بات کر لیتا تھا وہ ہمیشہ کے لیے آپ کا عاشقِ زار بن جاتا تھا۔ آپ کی نورانی شخصیت میں وہ مقناطیسی اثرات تھے کہ سارا زمانہ آپ کی طرف کھنچا چلا آتا تھا۔ سپین کا امیر کاؤنٹ گلارزا لندن میں حاجی صاحب کا نامِ نامی سن کر ہندوستان آیا۔ حاجی صاحب کی زیارت سے مشرف ہوا اور اسلام کی دولت لے کر واپس ہوا

(ماخوذ از فائل ''دعوتِ اسلام'' از خواجہ حسن نظامی)

ملک غلام محمد گورنر جنرل پاکستان کی مراسلت

خود کاؤنٹ صاحب نے سابق گورنر جنرل پاکستان کے خط کے جواب میں تحریر کیا کہ:

''میں نے ۱۹۰۲ء میں حاجی صاحب کا ذکر لندن میں سنا، اس دن سے وہ میرے خیالوں میں بس گئے، آخر ہندوستان کا سفر اختیار کیا----- دیوے شریف پہنچا تو یہاں کی چیزیں مجھے خواب جیسی محسوس ہوئیں----- ظاہر و باطن ایک دوسرے میں مدغم نظر آتے تھے ----- آخر حاجی صاحب تشریف لائے----- دائیں بائیں دو مرید تھے جن کے سہارے وہ چل رہے تھے----- لانبا قد، گورا رنگ----- جسم زہد و ریاضت سے نزار----- نیلی آنکھیں..... آسمان کی طرح گہری اور شفاف پیشانی، سیدھی اور بلند........ خدوخال موزوں...... سفید براق داڑھی----- ہونٹوں پر عنوانِ شباب کی مسکراہٹ۔ میرے جذبات نے مجھے جرأت دلائی اور میں نے دوڑ کر اپنا سر آپ کے سینے پر رکھ دیا----- آپ نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا اور فرمایا----- محبت! ----- محبت!!''

(حیاتِ وارث از مرزا محمد ابراہیم بیگ شیدا لکھنوی)

اس کے بعد ہم لوگ چٹائی پر بیٹھ گئے----- (پھر جو کچھ باتیں ہوئیں) ----- ان الفاظ سے میری روح میں ایک طمانیت سی چھا گئی----- جیسے ایک طویل محنت کے بعد پر سکون نیند آ جائے----- مجھے ایسا محسوس ہوا کہ گوہرِ مقصود ہاتھ آ گیا----- وہ میری عرفان کی متلاشی روح کا منتہائے مقصود قرار پائے----- اور پھر مجھے حاجی صاحب قبلہ سے زیادہ کوئی محبوب نہ رہا-----!

(حیاتِ وارث از مرزا محمد ابراہیم بیگ شیدا لکھنوی)

خان بہادر سر شیخ عبدالقادر بیرسٹر ایٹ لاء، مدیرِ مخزن لاہور کا بیان

اسپین کے رئیس اعظم کاؤنٹ گلارزا وارٹی نے مجھے لندن میں بتایا کہ:

''میں نے قبلہ حاجی صاحب کی صرف آنکھوں کو دیکھا اور گرفتار ہو گیا، حاجی صاحب کی آنکھیں----- روحانیت کی یونیورسٹیاں----- ہیں، جو ایک بار انہیں دیکھتا ہے، کیفِ روحانی سے مالا مال ہو جاتا ہے-----'' (ماخوذ از فائل ''دعوتِ اسلام'' از خواجہ حسن نظامی)

پٹنہ ہائی کورٹ کے پہلے مسلمان جج آنریبل جسٹس سید شرف الدین کی گرفتاری

''میں ۱۸۸۰ء میں انگلستان اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے ہندوستان واپس آیا اور کلکتہ ہائی کورٹ میں بیرسٹری شروع کی، تمام صوبہ بہار سے انگلستان جانے والوں میں میرا پہلا نمبر تھا، میرے خاندان پر انگریزیت کا غلبہ تھا، پیری مریدی تو درکنار خدا کی بھی کسی کو خبر نہ تھی----مغربی تعلیم کی بدولت بس کفر والحاد کے درجے طے ہونا باقی رہ گئے تھے----کہ آفتابِ ولایت حضرت وارث علی شاہ نے سرزمینِ بہار کو اپنی جلوہ ریزیوں سے منور کرنے کے لیے قدم رنجہ فرمایا----ساری آبادی استقبال کے لیے داناپور اسٹیشن پر الٹ پڑی----عجب اتفاق ہوا کہ میں بھی اسی گاڑی سے سفر کرنے والا تھا اس لئے اسٹیشن پر پہنچا تو سب سے الگ تھلگ سوٹ پہنے، منہ میں چرٹ دبائے۔ پلیٹ فارم پر ٹہلتا رہا کہ کہیں میرا بھی شمار استقبال کرنے والے مجنونوں میں نہ ہو جائے----بالآخر گاڑی آئی----اور آہستہ آہستہ گزرتے ہوئے میرے سامنے رک گئی، سامنے جو دیکھا تو ایک نور نظر آیا----حسنِ لاجواب----آنکھیں مستانہ اور رسیلی-----گھونگھر والے سیاہ سفید بکھرے ہوئے بال----چہرے پر معصومیت----دیکھ کر ششدر رہ گیا----! میرے حقیقی بھائی خان بہادر مولوی نصیر الدین صاحب، سی، ایس، آئی، وزیر ریاست بھوپال نے اسی وقت میرا حضرت والا سے تعارف کرایا---- دوسرے دن میں اپنے عزیز جسٹس حسن امام صاحب کے ہمراہ سرکارِ والا میں حاضر ہوا----ابھی بیٹھا ہی تھا کہ سرکارِ پر انوار نے نظر مبارک اٹھا کر مجھے دیکھا----میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ نگاہ تھی یا جادو----دل ہاتھ سے جاتا رہا----سر خود بخود حضرت والا کے قدموں میں گر گیا----مجھے صرف اس قدر یاد ہے کہ میں نے سرکارِ والا کا دستِ مبارک پکڑ لیا اور---زار و قطار رونے لگا---جب ہوش آیا تو میں سرکارِ عالی کا مرید ہو چکا تھا۔'' (تذکرہ اولیاء از سید رئیس احمد جعفری۔ مشکوٰۃ حقانیت از فضل حسین صدیقی)

آفتابِ ولایت کا فیضِ تجلی عالمِ خواب میں

جہاں آپ خود جسمانی طور پر نہ پہنچے وہاں آپ کے انوارِ روحانی لوگوں کو خواب میں نظر آتے تھے، اس طرح آپ کا نورِ ہدایت محدود نہ رہا بلکہ ہر طریق وملت پر انوار کی ایسی بارش ہوئی کہ ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی دور دور سے آ کر آپ پر پروانہ وار قربان ہوتے تھے----- چنانچہ جس وقت آفتابِ ولایت کا نور گورکھپور میں پھیل رہا تھا----- جج صفدر حسین خاں صاحب وارثی کے یہاں آپ رونق افروز تھے----- اس وقت ایک انگریز آیا----- اور آپ کی صورت کو بغور تکنے لگا، اس کے بعد بڑے ادب سے التجا کرنے لگا کہ:-

''میں پوچھ سکتا ہوں پہلے آپ کا نام کیا ہے-----؟''

آپ نے فرمایا: ''یہی جو آج ہے!''

انگریز بولا: ''نہیں معاف کیجئے----- میں خوب جانتا ہوں کہ آپ کا نام پہلے پہلے----- یسوع مسیح----- تھا! اب میں آپ کو اپنا وعدہ یاد دلاتا ہوں کہ مہربانی فرما کر آج اپنا قول پورا کیجئے----- ورنہ----- ایک بے گناہ کا خون ناحق آپ پر ہوگا-----!

اس وقت جسٹس شرف الدین صاحب پاس بیٹھے ہوئے تھے، ان کے پوچھنے پر صاحب بہادر نے تفصیلاً بتایا کہ-----''میں نے خواب میں دیکھا کہ عیسیٰ مسیح علیہ السلام نے مجھے اپنے سینے سے لگایا اور اپنی چادر کا کونا پکڑ کر کہا----- گھبراؤ نہیں تمہیں بھی ایسا ہی کپڑا دیں گے۔''

اسوقت مسیح کا ایسا ہی کپڑا تھا----- اور ایسی ہی صورت تھی----- بس اس دن سے میں سرگرداں ہوں کہ دیکھیں ہمارا----- سچا مسیح----- ہم کو کب وہ کپڑا دے گا----- آج میں نے پہلی بار سرسری طور پر اسٹیشن پر دیکھا تو کچھ شبہ ہوا----- پھر چار بجے آ کر غور سے دیکھا اور حلیہ ملایا تو ہو بہو ویسا ہی پایا چنانچہ پہچان لیا کہ----- یہی یسوع مسیح ہیں جنھیں ایک سال سے میں تلاش کر رہا ہوں----- یہ داستان سن کر جسٹس صاحب نے سرکارِ والا

سے عرض کیا کہ -----"اب آپ کیا فرماتے ہیں؟-----صاحب نے تو آپ کو پہچان لیا۔"
حاجی صاحب قبلہ نے فرمایا-----"ان کو شبہ ہو گیا ہے-----دراصل ہم -----مسیح
-----نہیں ہیں!"

اس پر جسٹس صاحب نے فرمایا کہ-----"صاحب تو جان دینے پر تلے ہوئے ہیں!"
یہ سن کر سرکارِ والا کا دریائے کرم جوش میں آیا-----اسی وقت اپنا "احرام" آپ نے صاحب کو دیا اور فرمایا:

"لو اسے پہن لو"

یہ سن کر صاحب نے اپنے انگریزی کپڑے اتار پھینکے اور "احرام" باندھ لیا۔
اس کے بعد سرکار نے فقیری کی تعلیم دے کر "ولایتی شاہ"-----کا خطاب عطا فرمایا
-----اور نیپال جانے کی ہدایت دیتے ہوئے فرمایا کہ:

"تمہارا حصہ تمہیں وہیں پہنچے گا۔"

آتش پرست کے دل میں آتشِ عشقِ الٰہی

بمبئی کے مشہور ڈاکٹر دوسا بھائی اپنی ہمشیرہ کے ہمراہ جب دیوے شریف آ کر حاضر خدمت ہوئے تو زار و قطار رو رہے تھے-----(نہ معلوم انہوں نے خواب میں کیا دیکھ لیا تھا)
الغرض سرکارِ عالی نے دونوں کو توبہ استغفار پڑھا کر مسلمان کیا اور تعلیمِ محبت دیتے ہوئے فرمایا:

"آتش پرستی کر چکے-----اب تمام عمر-----محبت کی آگ-----کا سامنا ہے جو غیر اللہ کے تعلق کو جلا دیتی ہے۔ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ دل ہر وقت یادِ محبوب میں مشغول رہے اور ہاتھ سے دنیا کا کام انجام دیتے رہو اور اس کی تصدیق ہو کہ-----اللہ ہر ایک تشبیہ و تمثیل سے مبرا-----واحد اور-----قدیم ہے، جاؤ-----اللہ کی مخلوق کو فائدہ پہنچاؤ
-----!"

پریم جوگ

عشق کے رمز و کنایہ میں آپ ایسی ایسی پر اثر باتیں کہہ جاتے تھے کہ غیر مسلم بیتاب ہو کر خود بخود مسلمان ہو جاتے تھے۔

چنانچہ آفتابِ ولایت سے جس وقت فیض آباد میں محبت کا نور پھیل رہا تھا----- ایک بڑے مہنت صاحب حاضرِ خدمت ہوئے جن کے وہاں بہت سے چیلے اور شاندار خانقاہ تھی -----سرکارِ والا نے جیسے ہی انہیں دیکھا-----گلے سے لگا لیا-----پاس بٹھایا----- مہنت جی اس اخلاقِ کریمانہ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ گردن جھکالی-----اس کے بعد سرکار نے پوچھا:۔

''مہنت جی-----پریم جوگ-----بھی کیا ہے؟''

مہنت جی بھلا کیا جواب دیتے-----کہنے لگے:۔

''داتا-----جو دو گے سو لوں گا۔''

اس وقت چار سنگترے مہنت جی کو دے کر سرکار نے فرمایا:۔

''مہنت جی! جاؤ، پھر ملاقات ہوگی۔''

مہنت جی سلام کر کے باہر آئے مگر اپنی دھرم شالہ جانے کی بجائے وہیں آستانے کے دروازے پر بیٹھ کر رونے لگے-----لوگ حیران تھے کہ مہنت جی کو یک بیک کیا ہو گیا----- مگر وہاں تو-----پریم جوگ-----اثر کر چکا تھا-----آخر اپنے سارے چیلوں سمیت مسلمان ہو کر سرکارِ والا کی غلامی میں آ گئے-----اوگھٹ شاہ صاحب وارثیؒ نے سچ فرمایا:

دیا برابر دھرم نہیں ، پر نج برابر پاپ
پریم برابر جوگ نہیں ، گرو منتر برابر جاپ

حق یہ ہے کہ سرکار عالی وقار پر نسبتِ عشقیہ شروع سے غالب رہی تھی، اس لئے آپ کا فیض ہدایت محدود نہ تھا بلکہ ہر طریق و مذہب کے لوگ دور دور سے آ آ کر شمعِ نورِ احمدی پر نثار

ہوتے تھے-----عشق ومحبت آپ کی سرشت تھی اور آپ مجسمہ جمالِ الٰہی تھے-----جہاں جہاں آپ تشریف لے گئے-----آپ کے عشق محبت کے برقی اثرات نے اپنا رنگ ہر جگہ جما دیا-----ہر محفل کو تماشا گاہِ رقصِ بسمل بنادیا-----اور جو خود آپ کی محفل میں چل کر آیا اسے جمالِ وارث میں وہ تجلیات نظر آئیں کہ اپنے ہوش وحواس پر قابو نہ رکھ سکا-----خواہ کیسا ہی -----طاقتور مہنت-----سرکش جادوگر-----باغی جوگی-----کہنہ مشق آتش پرست ہوتا-----چشمِ وارث سے-----جامِ الست-----پی کر قدموں میں لوٹنے لگتا!

چنانچہ ایک پنجابی سادھو امرتسر سے چل کر آستانہ پر پہنچے اور حاضرین کو بتایا کہ -----بارہ سال سے میں اس تلاش میں ہوں کہ کوئی نارائن کا سیوک (عارف) یہ بتادے کہ وہ نرنکار (رب تعالیٰ) ہمارے سریر (جسم) کے اندر ہے باہر ہے! اکثر مہاتماؤں نے بتایا----- مگر میری سمجھ میں نہ آیا-----دل کی تسلی نہ ہوئی مگر سرکارِ عالی وقار کے لئے تو یہ بات مشہور تھی کہ آپ تو ہمات وخدشات کا جواب نہیں دیا کرتے تھے بلکہ مشاہدہ کرادیا کرتے تھے-----چنانچہ جب وہ سادھو آستانے کے اندر داخل ہوا، سرکار والا صحن میں کھڑے ہوئے تھے-----اپنے سامنے جو آفتابِ ولایت کو جلوہ افروز پایا-----تو اسے نہ جانے کیا نظر آیا کہ دوڑ کر سرکار کے قدموں میں سر رکھ دیا-----! سادھو جی پر کیفیت طاری ہو چکی تھی! جب باہر آئے تو لوگوں نے پوچھا کہ

''سادھو جی! آپ نے کچھ دریافت نہ کیا؟-----وہ آبدیدہ ہو کر کہنے لگے کہ بغیر دریافت کئے جواب مل گیا-----!''

جب لوگوں نے اصرار سے پوچھا تو سادھو جی نے بتایا کہ-----جس وقت دروازہ کھلا تو میں نے بابا کی صورت کی ایک جوت (نور) دھرتی سے آکاش تک دیکھی اور جب گرو جی کے چرنوں میں سر دیا تو جسم بشری پایا-----بس میری تسکین ہوگئی اور جو آج تک نہ سمجھا تھا وہ سمجھ گیا-----!

بجی پاتی تب لکھوں، جو پیتم ہوں پردیس
تن میں، من میں، پیا براجیں، بھیجوں کسے سندیس (اوگھٹ شاہ وارثی)

خدا نما صورت

غرضیکہ آپ کی خدا نما صورت کو جس نے ایک بار دیکھ لیا وہ ہمیشہ کے لئے فریفتہ ہو گیا ----- مقدس جسم ----- میں برقی لہریں دوڑا کرتی تھیں ----- آنکھوں میں ----- نورِ الٰہی کی تجلیاں کوندا کرتی تھیں، دیکھنے والے حیران رہ جاتے تھے۔ آپ نے اپنے قلب ونظر کے ----- نورانی اثرات ----- سے اشاعتِ اسلام کا خوب کام لیا ----- اپنے حسن و جمال سے دلوں کا شکار کیا ----- اپنی قوتِ باطنی سے جذبات کو پلٹا ----- خیالات کو بدلا ----- احساسات ور جحانات کو تبدیل کیا اور اپنی بے پناہ روحانیت کے زور سے لوگوں کی سوچ کا دھارا ----- روحِ اسلام ----- کی طرف موڑ دیا۔ آپ نے ہر جگہ علی الاعلان ----- توحید و رسالت ----- کا نور پھیلایا ----- حتیٰ کہ تبلیغِ اسلام کے لئے غیر مذاہب کی زیارت گاہوں اور عبادت کدوں میں پہنچ کر گمراہوں کو جلوۂ حق دکھایا -----!

جگن ناتھ جی پر آفتابِ ولایت کے انوار

راجپوت کنچن سنگھ ----- جگن ناتھ، تیرتھ کو گیا ----- وہاں مندر میں عینی مشاہدہ کیا کہ سرکار وہاں رونق افروز ہیں اس طرح ----- آفتابِ ولایت ----- کو مندر میں جلوہ افروز دیکھا تو دس بارہ راجپوت جو اس کے ساتھ تھے ان سب کو دکھایا ----- جب واپس یہ راجپوت دیوے شریف آیا اور سرکار میں حاضر ہوا ----- تو عرض کرنے لگا کہ:۔

"اے کاش! مجھے پہلے ہی معلوم ہو گیا ہوتا کہ وہاں بھی آپ ہی ہیں تو ہم کس لیے جگن ناتھ جی گئے ہوتے ----- یہیں بیٹھے درشن کرلیا کرتے۔"

آپ نے فرمایا ----- ٹھاکر ----- ہم نہ ہوں گے ----- کوئی دوسرا ہو گا! راجپوت نے

کہا----بابا ہم نے خوب بچار کر دیکھا تھا اور بھی دس بارہ آدمیوں نے دیکھا ہے۔"

یہ سن کر آپ ہنس پڑے اور فرمایا:

"اچھا اب جگن ناتھ مت جانا۔"

اس بات کا ایسا اثر ہوا کہ کنچن سنگھ ہمیشہ کے لئے بت پرستی سے توبہ کر کے آپ کا مریدِ باصفا بن گیا!

(عین الیقین از سید عبدالآد شاہ)

آفتابِ ولایت کے انوارِ روحانیت کا فیضِ عام

حقیقت یہ ہے کہ دولتِ بیعت کو سارے عالم اور ہر قوم وملت میں جیسا حاجی صاحب نے بے دریغ لٹایا، کسی کے دستِ عطا سے ایسا فیضِ عام جاری نہ ہوا......سلف سے لے کر آج تک کسی بزرگ اور کسی شیخ وقت نے اس قدر بیعت نہیں کئے جتنے سرکار وارثِ پاک نے کئے، یہ خاص آپ ہی کا حصہ تھا جو آپ سے شروع ہو کر آپ ہی پر ختم ہو گیا۔

(تذکرہ اولیاء، انوار اولیاء از سید رئیس احمد جعفری)

جس شہر میں سرکار عالی قدر رونق افروز ہوتے تھے، ایک میلہ سا لگ جاتا تھا اکثر ہجوم کی کثرت کے سبب پولیس کا انتظام ہوتا تھا تا کہ لوگ زخمی نہ ہو جائیں کیونکہ شوقِ دیدار میں لوگ نیچے اوپر گرے پڑتے تھے----ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی، پارسی ہر طرف سے بیعت کے لیے ٹوٹے پڑتے تھے۔

خلقت کا اژدہام

سرکار وارثِ پاک جب حضرت سید سالار مسعود غازی کے عرس میں شریک ہونے کے لیے----بہرائچ----تشریف لے گئے تو مجمع اس طرح ٹوٹ کر گر رہا تھا کہ خدام پریشان ہو گئے اور دل میں کہتے تھے۔

؎ کوئی پروانوں کو سمجھاؤ کہ مرنے کے سوا

اور بھی چند مقاماتِ وفا ہوتے ہیں

ہر چند پولیس والوں نے بہت تدبیریں کیں کہ سرکار کو بآسانی مزار تک پہنچا دیں مگر کامیابی نہ ہوئی آخر بمجبوری سرکار کو درگاہ سے ملحق مسجد کی فصیل پر پہنچا دیا گیا اور لوگوں کو بیعت کرنے کے لئے نیچے کی طرف ایک لمبی چادر لٹکا دی گئی جس کو بیک وقت بکثرت آدمی پکڑ کر مرید ہوتے جاتے تھے۔ مسلسل دو گھنٹے تک بیعت کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔ اس کے بعد سرکار جب واپس ہوئے تو مجمع کا جوش و اضطراب اس قدر تھا کہ سینکڑوں آدمی نیچے سے جھک کر پیروں میں سے ہوتے ہوئے حضور تک پہنچتے تھے۔

اسی طرح جب سرکارِ والا پہلی بار دربھنگہ تشریف لے گئے تو-----ایک وارثی مجذوب درویش جو آبادی کے باہر رہا کرتے تھے تین روز قبل خلافِ عادت شہر میں آئے اور اونچے نیچے ٹیلوں پر کھڑے ہو کر کہنے لگے-----یہاں تاشے بجیں گے-----یہاں روشنی ہو گی-----جا بجا یہی کہتے پھرتے تھے۔ جب نواب صادق علی صاحب کی کوٹھی کے شاندار پھاٹک پر پہنچے تو بولے کہ-----"یہ پھاٹک آدمی دھکیل دیں گے"-----چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ سرکارِ عالی کی آمد کی خوشی میں وہاں کے رؤسا نے بڑا اہتمام کیا، جگہ جگہ روشنی کرائی-----نوبت بجوائی-----جس وقت سرکارِ عالی وقار شہر میں داخل ہوئے تو ایک لاکھ کا کثیر مجمع دیدار کے لیے اکٹھا ہو چکا تھا-----اب وہ مجذوب درویش یہ صدا لگا رہے تھے----"شہر کا قلب الٹ جائے گا، اگر اب نہ الٹا تو کب الٹے گا۔"

اور پھر واقعی شہر کا قلب الٹ گیا-----!

چنانچہ جب سرکارِ والا نواب کی کوٹھی-----میں تشریف لائے تو زائرین کی ریل پیل-----سے کوٹھی کا پھاٹک گر گیا-----!!!

عوام نے بہت چاہا کہ سرکار آرام کر لیں گے مگر اس وقت اندازہ ہوا کہ یہ کشش روحانی ایسی چیز نہیں جسے کوئی طاقت روک سکے، اس طرح وہاں تقریباً ایک لاکھ آدمی آپ کے سلسلۂ عالیہ

میں داخل ہوئے۔

اس کے بعد حضور پاڈہ کی جانب تشریف لے گئے۔وقتِ رخصت بہت کثیر مجمع حضور کی پالکی کے ساتھ تھا، ہر چند کہ حضورِ انور لوگوں کو رخصت کرتے جاتے تھے، مگر دس کوس کا سفر طے کرنے کے باوجود دس ہزار کا کثیر مجمع ساتھ لگا چلا آ رہا تھا آخر کار سرکار سے عرض کیا گیا کہ -----جب تک حضور ان سب کو رخصت دے کر رخصت نہ فرمائیں گے، یہ واپس نہ جائیں گے-----یہ سن کر سرکار نے فرمایا:-----"اچھا ہماری پالکی کسی ٹیلے پر رکھو اور پکار کر کہہ دو کہ جس کو مرید ہونا ہے وہ ہماری پالکی کو چھو لے۔"

چنانچہ جوشِ عقیدت سے لوگ پالکی کو چومتے تھے اور آپس میں خوشی سے عید کی طرح گلے ملتے تھے گویا کوئی بہت بڑی نعمت ملی ہو اور دلی مراد برآئی ہو۔

غرضیکہ سرکارِ والا جدھر سے گزرتے جاتے تھے ان رستوں پر چلنا دشوار ہو جاتا تھا، قدم قدم پر لوگ قدمبوسی کے لیے کھڑے رہتے تھے-----اس طرح آپ جہاں جہاں تشریف لے گئے آپ کی روحانیت کے برقی اثرات نے دلوں پر اپنا قبضہ جمایا۔

سرکار وارثِ پاک کے دستِ حق پرست میں خدا جانے کیسی کشش تھی کہ کوئی شخص کسی بھی خیال سے آپ کے سامنے آتا پھر ممکن نہ تھا کہ اپنا دل سلامت لے جاتا۔

نگاہِ کیمیا گر

چنانچہ آپ اسی قسم کی سیاحت پر تھے، اردو کے مشہور شاعر حضرت بے نظیر شاہ وارثی آپ کے ساتھ تھے لیکن اس زمانے میں بے نظیر شاہ کو کیمیا گری کا خلجان تھا.... ہر وقت سونا بنانے کے چکر میں لگے رہتے تھے۔دورانِ سفر سرکار ایک باغ میں آرام فرما ہوئے تو بے نظیر کا ذوق و شوق دیکھ کر آپ نے فرمایا:۔

"بے نظیر! تمہیں سونا بنانے کا شوق ہے نا-----!"

بے نظیر شاہ نے بڑی بے صبری سے جواب دیا-----"جی ہاں! سرکار۔"

آپ نے فرمایا:

''جاؤ باغ کی خندق میں جو گھاس لگی ہے اسے اکھاڑ لاؤ!''

چنانچہ بے نظیر جھٹ پٹ وہ گھاس اکھاڑ لائے ----- آپ نے فرمایا:

''تانبے کے پیسے اس گھاس میں تر کرو.... اور انگاروں پر تپالو پھر خدا کی قدرت دیکھو۔''

بے نظیر شاہ نے جیسے ہی اس پر عمل کیا وہ سارے پیسے سونے کے بن گئے ----- خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا ----- عمر بھر کی جستجو کا آج گوہرِ مقصود مل گیا ----- گھاس کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے تھے اور نظروں میں بساتے تھے اور سوچتے تھے کہ بعد میں بہت ساری گھاس اکھاڑ لے جائیں گے اور خوب سونا بنائیں گے۔

اس باغ میں کچھ دیر آرام فرما کر سرکار وارثِ پاک ----- کھولی ----- تشریف لے گئے۔ وہاں سرکار کی آمد کی خبر ہوئی تو ایک بڑھیا روتی ہوئی حاضر خدمت ہوئی اور عرض کی:

''سرکار! کل میری نواسیوں کا نکاح ہے، پیسہ پاس نہیں، باراتیوں کو کیا منہ دکھاؤں گی ----؟''

اسے تسلی دیتے ہوئے سرکار نے بے نظیر شاہ سے فرمایا:

''وہ سونا بڑی بی کو دے دو جو تم نے کل بنایا تھا۔''

بے نظیر شاہ کو گراں تو گذرا مگر پھر یہ خیال کر کے کہ گھاس تو وہاں موجود ہی ہے، بہت سا سونا بن جائے گا ----- یہ سارا سونا بڑھیا کو دے دیا ----- سرکارِ عالی وقار مسکرا دیئے۔

واپسی پر سرکار نے پھر اسی باغ میں آرام فرمایا، بے نظیر شاہ موقع غنیمت جان کر جھٹ پٹ باغ کی خندق میں پہنچ گئے تا کہ بہت سی گھاس توڑ لیں..... مگر یہ دیکھ کر ان کو سکتہ ہو گیا کہ اب وہاں گھاس کا نام و نشان تک نہ تھا، لق و دق خندق خشک بنجر پڑی تھی ----- سمجھ میں نہ آیا کہ اتنی جلدی سرسبز وادی کو کیا ہو گیا ----- ناچار منہ لٹکائے ----- واپس آئے ----- سرکار نے نظر اٹھائی ----- مسکرا کر پوچھا:۔

''بے نظیر شاہ! ----- گھاس ملی؟ ----- کیمیا بنی؟''

بےنظیر شاہ نے تھکے ہوئے لہجہ میں جواب دیا:

"سرکار!-----نہ گھاس ملی-----نہ کیمیا بنی!"

چنانچہ سخت مایوس دیکھ کر آپ نے شفقت سے سمجھایا:

"بےنظیر شاہ!-----تم بھی کس قدر بھولے ہو!-----بھلا کیمیا گھاس سے بنا کرتی ہے؟ ہاں جب خدا چاہتا ہے تو گھاس تک سے بن جاتی ہے!-----اچھا تو پھر کیوں نہ اس خدا کو یاد کرو کہ خود کیمیا بن جاؤ!"

سرکار وارثِ پاک کی یہ بات بےنظیر شاہ کے دل میں تیر کی طرح پیوست ہو گئی -----دولتِ دنیا سے دل بیزار ہو گیا اور عشقِ الٰہی سرمایۂ حیات بن گیا، نتیجہ یہ کہ یادِ الٰہی میں تپ تپ کر واقعی کندن بن گئے چنانچہ مشہور محقق ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں صاحب رقمطراز ہیں:۔

"سید محمد بےنظیر شاہ وارثی (م ۱۹۳۲ء) اردو کے ایک با کمال شاعر تھے، چونکہ آپ قادری سلسلے میں حضرت حاجی وارث علی شاہ کے مرید تھے اس لئے جذب و مستی سے بھی تعلق تھا، پورا کلام وحدۃ الوجود کے نظریہ پر محیط ہے۔"

ازل جس بے نشاں کا نام ہے ان کا نشاں میں ہوں
نہاں خانے سے جو نکلا ہے وہ جلوہ عیاں میں ہوں
ظہورِ بے مثالی ہے ہر اک ذرے میں عالم کے
جہاں ہوں بےنظیر و بے مثال و بے نشاں میں ہوں

(اردو شاعری اور تصوف از ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں ماہنامہ فکر و نظر جنوری ۱۹۷۶ع)

اے آفتابِ برجِ شرف صد سلام ہا

اے نائبِ امیرِ نجف صد سلام ہا

عادات وخصائل

جذب ہوئے ہیں کلی کلی میں بن کے سیلِ بہار
خوشبو بن کر پھول سے نکلے مہک اٹھا سنسار

رقیق القلبی

سیدنا وارث پاک کا کوئی مرید جب کسی لمبے سفر یا تبادلہ پر کہیں جانے کی خبر سناتا تو اس کی جدائی کا ملال آپ کے چہرے سے ظاہر ہونے لگتا---آپ اسے قریب بلاتے---- گلے لگاتے-----اور تسلی وتشفی دیتے ہوئے----رخصت کرتے کرتے، خود آپ کی آنکھوں میں بھی آنسو ڈبڈبا آتے----مرید یہ شفقت ومحبت دیکھ کر قدموں میں لوٹ لوٹ جاتا۔

کیا لوگ تھے جو راہِ جنوں سے گذر گئے
جی چاہتا ہے نقشِ قدم چومتے چلیں

چشم پرنم

چشم پرنم----بارگاہِ وارثی کی خاص علامت ہے جو عشق ومحبت کی دلیل ہے، چونکہ آپ پر----نسبتِ عشقیہ----غالب تھی۔اسی کی یہ تاثیر ہے کہ آپ کے مریدوں میں سوز وگداز بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔

غریب نوازی

سرکار وارث پاک چونکہ قدرت کی طرف سے ایک دردمند دل لے کر آئے تھے اس لئے ناداروں، مسکینوں اور خستہ حالوں پر بہت زیادہ توجہ فرماتے تھے، ان کے برخلاف کسی بڑی سے بڑی شخصیت کو خاطر میں نہ لاتے تھے----راجہ، مہاراجہ کے مقابلے میں ہمیشہ غریب

لوگوں کو ترجیح دیتے تھے چنانچہ اسی سلسلے میں ایک مرتبہ یہ سبق آموز واقعہ پیش آیا کہ----آپ کے ایک مخلص مرید----محمد سلیم مستری----جو بڑے غریب آدمی تھے اور ریاست پیاگ پور----میں معمولی تنخواہ پر ملازم تھے----ہندوستان کی سیاحت کے دوران انہوں نے التجا کی کہ:۔

''سرکار----آپ نے بہرائچ سے واپسی پر رات کو غریب خانہ پر قیام فرمایا تھا، اس بار پھر غریب خانہ کو رونق بخشئے۔''

اسی وقت والئی ریاست----راجہ پیاگپور----کو یہ خبر ہوئی، انہوں نے عرض کی:

''حضور! محمد سلیم میری ریاست کا ایک غریب آدمی ہے اس کا گھر اسٹیشن سے بہت دور ہے----اور میری کوٹھی اسٹیشن کے پاس ہی ہے لہذا آپ آرام سے میری کوٹھی پر قیام فرمائیے!''

راجہ صاحب کا یہ کہنا کہ----مستری غریب آدمی ہے----سرکار والا کو ناگوار گزرا----چنانچہ آپ نے ترش لہجے میں فرمایا:

''ہم کو نہ کسی امیر سے غرض ہے نہ غریب سے، مستری کو ہم سے محبت ہے اور اس کے یہاں ہم پہلے بھی ٹھہر چکے ہیں----لہذا اب دوسری جگہ ٹھہرنا ہماری وضع داری کے خلاف ہے۔''

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضور والا اسٹیشن سے بہت دور محمد سلیم مستری کے گھاس پھوس کے مکان میں جا کر رونق افروز ہوئے----اور اس وقت راجہ صاحب کی کوٹھی میں قدم نہ رکھا۔

حقیقت یہ ہے کہ سرکار عالم پناہ مجبوروں، لاچاروں اور بے سہاروں کا سب سے زیادہ لحاظ فرماتے تھے اور غریب آدمی کے خلاف کسی بڑی سے بڑی شخصیت کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

چنانچہ اسی سلسلے میں یہ عبرتناک واقعہ پیش آیا کہ----ایک مرتبہ----ریاست مہونا----کے وزیر عبدالغنی صاحب نے سرکار والا کو اپنے یہاں لانے کا انتظام کیا----کوٹھی سنوارنے سجانے میں ایک ملازمہ سے کچھ غلطی ہوگئی----اس پر وزیر موصوف نے خادمہ کے منہ پر طمانچہ مارا، جس سے اسکی آنکھ میں چوٹ آئی----اور وہ رونے لگی، دوسرے

دن وزیرِ موصوف ----سرکار میں حاضر ہوئے تو آپ نے برجستہ فرمایا:

''ہم نہیں جاسکتے! ہماری آنکھ میں چوٹ لگ گئی ہے!''

یہ سن کر وزیرِ موصوف سکتے میں آ گئے----ادھر آپ کی آمد کا دور دور اعلان ہو چکا تھا----سب انتظامات مکمل تھے----وزیر صاحب اپنی سبکی کے خیال سے بار بار سرکار سے چلنے کے لئے اصرار کرتے تھے مگر آپ ہر بار یہی فرماتے تھے:

''ہماری آنکھ میں چوٹ لگ گئی ہے، ہم نہیں جاسکتے۔''

آخر کار وزیر صاحب نادم و شرمسار تنہا واپس ہو گئے۔

آفتاب ولایت کی ذرہ نوازی

سرکار وارثِ پاک کم حیثیت لوگوں کا بہت خیال فرماتے تھے---اکثر تیلی، تنبولی، دھنے، جولاہے، کونجڑے، قصائی، بھٹیارے اور کباڑی کے یہاں قیام فرماتے تھے----جہاں بڑے بڑے تعلقہ دار، نواب، جج، بیرسٹر، راجا اور مہاراجا ان غریبوں کے گھر پر سرکارِ اقدس سے ملنے کے لئے آتے تھے۔

چنانچہ ایک مرتبہ سرکار عالم نواز لکھنؤ میں----بنو بھٹیاری----کے یہاں رونق افروز تھے----یہ ۱۸۸۲ء کی بات ہے----مصر میں خانہ جنگی چھڑ چکی تھی اور ----خدیو مصر----نے انگریزی سرکار سے مدد طلب کی تھی----انگریزی افواج کا رسالدار ہر خاص و عام سے معلوم کرتا پھرتا تھا کہ آج کل حاجی صاحب قبلہ سیاحت پر کہاں ہیں؟ ----اس کے رسالہ کو مصر جانے کا حکم ہوا تھا----لمبے چوڑے ڈیل ڈول والا یہ جواں سال کماندار بہت پریشان نظر آ رہا تھا----وارثِ پاک کا عاشق زار ہونے کی حیثیت سے سرکار کے دیدار سے محروم جانا نہیں چاہتا تھا----سوچتا تھا----اے کاش! اخیر وقت میں سرکارِ عالم پناہ کی قدم بوسی حاصل ہو جاتی تو بڑی خوش قسمتی ہوتی ورنہ ایسی مہم سے واپسی کی بھلا کیا امید ہو سکتی ہے----یہ انگریزی سپاہ کے رسالدار علی محمد خاں صاحب بہادر وارثی تھے، جن کا

رسالہ ابھی لکھنؤ ہی میں مقیم تھا----- انہیں جب یہ معلوم ہوا کہ سرکار عالم نواز بھی لکھنؤ ہی میں مقیم ہیں تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی----- بھاگے بھاگے سرائے امین آباد----- پہنچے، جیسے ہی سرکار کے روئے روشن پر نظر پڑی، طبیعت بے قرار ہوگئی----- دل بھر آیا----- سرکار کی آغوشِ محبت میں منہ دے کر رونے لگے----- سرکار عالم پناہ اس وقت لیٹے ہوئے تھے بے چین ہو کر اُٹھ بیٹھے----- اور فرمانے لگے:

''علی محمد! اگر تم پانی میں ہو گے تو ہم تمہارے ساتھ ہیں----- اور اگر آگ میں ہو گے تو ہم تمہارے ساتھ ہیں----- ہزار کوس پر ہو گے تو ہم تمہارے ساتھ ہیں-----!''

رسالدار صاحب عرض کرنے لگے:

''سرکار مجھے مصر جانے کا حکم ہوا ہے۔''

تو آپ نے فرمایا:

''علی محمد! مصر کے چا تو اچھے ہوتے ہیں----- کیوں علی محمد!----- اگر کوئی ہندوستانی افسر کہیں فتح حاصل کر لے تو ملکہ اس کی بڑی خاطر کرتی ہوگی؟----- ولایت شہر بہت اچھا ہے----- اچھا جاؤ سیر کر آؤ----- پھر ملاقات ہوگی!''

یہ فرما کر سرکارِ والا اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور رسالدار صاحب کو سینے سے لگا کر رخصت کیا۔

وقتِ رخصت جو مجھے پیار سے دیکھا اس نے
اس سے بڑھ کر مرا سامانِ سفر کیا ہو گا

رسالدار صاحب کا بیان ہے کہ جہاز بمبئی سے روانہ ہوا تو راستے میں میں بیمار پڑ گیا----- حالت بگڑ گئی----- رات کو سرکار نے بشارت دی کہ:

''علی محمد گھبرانا مت، ہم تمہارے ساتھ ہیں، یہ کوئی تکلیف نہیں۔''

آنکھ کھلی تو صحتِ کاملہ حاصل ہو چکی تھی۔

اس کے بعد اسمٰعیلیہ کی بندرگاہ پر جہاز پہنچا، سامان اترنا شروع ہوا تو مختلف رسالوں

-----میں گڈمڈ ہو کر میرا سامان گم ہو گیا-----اسباب وہاں اس کثرت سے جمع تھا کہ میرا سامان ملنا ناممکن ہو گیا-----ایسے کڑے وقت میں میں نے سرکار کو یاد کیا کہ-----یا حضرت! اب تو مشکل کا سامنا ہے، میں بغیر ساز و سامان اور بے وردی کیا کروں گا-----!

آخر حضرت کی توجہ سے میرا کھویا ہوا کل سامان مل گیا-----اس سے بڑھ کر یہ کرم ہوا کہ جب میرا رسالہ جنگ میں شریک ہوا تو دشمن کی توپوں سے آگ کی بارش ہو رہی تھی مگر میرے رسالے کے آدمی تو آدمی کسی خچر تک کے کوئی خراش نہیں آئی اور سرکار کی نظرِ کرم سے ہم آگ کے طوفان سے صحیح سلامت گزر کر آسانی سے قلعہ قاہرہ پر قابض ہو گئے-----وہاں قلعہ میں میرا رسالہ ایک ہفتہ تک قیام پذیر رہا-----دورانِ قیام قاہرہ کے بازار جا کر میں نے سرکار کے لیے چاقو چھری خرید لیا۔

اس کے بعد میرا رسالہ تو ہندوستان واپس کر دیا اور مجھے دیگر فاتح سرداروں کے ساتھ فتح یابی کی خوشی میں شاہی مہمان کی حیثیت سے لندن روانہ کیا گیا-----جہاں ''ونڈسر محل'' میں ہمیں اتارا گیا-----وہاں قیصرۂ ہند ملکہ وکٹوریہ نے ہماری بڑی خاطر داری کی-----ہمارے اعزاز میں شاہی دعوت کا اہتمام ہو-----جس میں ملکہ معظمہ نے میووں بھری چاندی کی تھالی ہمیں عنایت کی اور اپنے دستِ خاص سے سب کے سامنے ہمیں بہادری کا تمغہ پہنایا-----تمام محلات اور شاہی تفریح گاہوں کی سیر کرانے کا حکم ہوا۔ یہاں ہمارے قیام کے دوران ہماری کوٹھی پر شاہی بگھی ہر وقت سیر کرانے کے لئے تیار کھڑی رہتی تھی، غرضیکہ بڑے اعزاز کے ساتھ ہم ہندوستان واپس آئے۔

وہاں ولایت میں بھی سرکارِ والا کے لئے میں نے چاقو خرید کیے تھے۔ چنانچہ جب میں سرکار میں حاضر ہوا تو وہ سب چاقو چھریاں خدمتِ عالی میں پیش کر دیں-----سرکار والا دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور پیار سے ایک گھونسہ اپنے دستِ مبارک سے میری پیٹھ پر رسید کیا-----اس کے بعد تو دن دونی رات چوگنی ایسی ترقی ہوئی کہ رسالدار میجری کے عہدے پر

فائز ہوا-----!

اس بعد دو مرتبہ شاہی مہمان کی حیثیت سے ولایت گیا.....!

میں جب بھی سرکار میں حاضر ہوتا تو یہ ضرور فرماتے کہ:

''رسالے میں یہ سب کے افسر ہیں۔''

چنانچہ آپ کی نظرِ کرم نے تمام ہندوستانیوں میں سب سے اعلیٰ عہدے پر پہنچایا۔

(انوارِ اولیاء مؤلفہ رئیس احمد جعفری)

روحانی قوت کی پردہ داری

اکثر دکھ درد کے مارے لوگ اپنی التجائیں لے کر آپ کے حضور حاضر ہوتے تھے مگر آپ کی زبانِ مبارک سے کبھی کوئی ایسا لفظ نہیں نکلتا تھا جس سے یہ ظاہر ہو کہ آپ کی توجہ خاص سے یہ کام ہو جائے گا، بلکہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک سے امید رکھنے کی تلقین فرماتے تھے-----جب کوئی غم کا مارا اپنا دکھڑا بیان کر کے رحم کا طالب ہوتا تو آپ ارشاد فرماتے:

''اللہ مالک ہے، اللہ مالک ہے''

غرضیکہ آپ کبھی کوئی ایسی بات بھی منہ سے نہ نکالتے تھے جس سے کسی کشف وکرامت یا آپ کے تصرف کا اظہار ہو بلکہ اپنی روحانی قوت کی پردہ داری اس طرح فرماتے تھے جیسے کوئی اپنا عیب چھپاتا ہے۔

چنانچہ اکثر ایسا ہوتا کہ جب کوئی غرض مند سرکار والا کو اپنی طرف متوجہ نہ دیکھتا تو طرح طرح سے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتا، چنانچہ کوئی چاقو لے کر سامنے آجاتا کہ ابھی اپنے جسم میں گھونپ کر خودکشی کئے لیتا ہوں-----اور کوئی بھاری پتھر لے کر دھمکاتا کہ ابھی سر پھوڑ کر مرا جاتا ہوں-----اپنی طبیعت کی نرمی کے سبب آپ ان افعال سے سہم جاتے اور اس کے حق میں امید افزا کلمات ادا فرماتے، اس وقت لوگ آپ کا دامن چھوڑتے۔

عاجزی وانکساری

آپ کی عاجزی اور انکساری کا یہ عالم تھا کہ آپ اپنی ذات کو تمام مخلوق میں سب سے کم تر جانتے تھے اور ہر مخلوق کو خود سے افضل سمجھتے تھے چنانچہ اس سلسلے میں یہ واقعہ قابلِ ذکر ہے:

ایک بار آپ ایک تنگ گلی سے گزر رہے تھے۔ سامنے سے ایک کتا آ گیا-----اس سے پہلے کے آپ کا لباس کتے سے چھو جائے۔آپ نے اپنا دامن سمیٹ لیا-----آپ کے مرید ظہور اشرف آپ کے ساتھ تھے، انہوں نے بھی اپنا لباس سمیٹ لیا۔ یہ دیکھ کر سرکارِ والا نے مسکرا کر پوچھا:

''میاں ظہور اشرف! تم نے اپنا لباس کیوں بچایا؟''

انہوں نے عرض کیا کہ:

''جس طرح حضورِ انور نے اپنے احرام شریف کو کتے کی نجاست سے بچایا۔''

یہ سن کر آپ کے چہرے پر نا خوشگواری کے آثار ظاہر ہوئے اور آپ نے جوشِ جذبات میں فرمایا:

''میاں ظہور اشرف میں نے تو اس لیے تہبند سمیٹ لیا کہ میرے لباس سے چھو کر کہیں خود کتا ناپاک نہ ہو جائے۔''

اللہ اکبر! یہ تھی آپ کی شانِ خاکساری!

خودنمائی سے نفرت

خودنمائی سے آپ کو سخت نفرت تھی آپ ہر چھوٹے بڑے سے اس طرح ملتے تھے جیسے کوئی بہت ہی ادنیٰ درجہ کا شخص ملتا ہے، آپ کی بات بات سے حد درجہ کی عاجزی ظاہر ہوتی تھی آپ کی تعلیم بھی یہی تھی کہ:

''اپنی ہستی سے گزر جاؤ''

ے بتلا دیا ہے راہنما نے مجھے پتہ
دنیا بھی اک مقام ترے راہگذر میں ہے

آپ اپنے اس قول کا خود کامل نمونہ تھے، اس کا عملی ثبوت خود آپ کی زندگی سے ملتا ہے چنانچہ اس زمانہ میں تھرمامیٹر نیا نیا ایجاد ہوا تھا اور عجیب چیز خیال کیا جاتا تھا۔ ایک دن سرکار میں تھرمامیٹر پیش کیا گیا، وہاں موجود جو شخص اسے ہاتھ میں لیتا اس کے بدن کی حرارت کا پتہ چل جاتا مگر جب تھرمامیٹر سرکارِ والا کے ہاتھ پہنچا تو اس کا پارہ اپنی جگہ ساکن رہا اس پر سب کو تعجب ہوا۔ آنریبل سید شرف الدین ممبر ایگزیکٹو کونسل صوبہ بہار اس وقت مجلس میں موجود تھے۔ انہوں نے خیال کیا کہ شاید پوری گرمی نہیں پہنچ سکی اس لئے خود انہوں نے اپنے ہاتھ میں سرکارِ عالی کی مٹھی کو لے کر دبایا مگر پھر بھی پارہ میں کوئی حرکت نہ ہوئی اور سرکارِ اقدس کے جسم کی کچھ حرارت معلوم نہ ہو سکی جس سے سب کو حیرت ہوئی ----- ابھی اس تعجب میں لوگ گم تھے کہ سرکارِ عالی نے ایک خاص انداز سے اپنا ہاتھ جھٹک کر تھرمامیٹر کو ایک طرف رکھتے ہوئے فرمایا:

''ہم کچھ نہیں ہیں۔''

اس کلمہ سے ساری محفل پر محویت طاری ہوگئی! ----- جیتے جی فنا ہو جانے کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہوگی۔

ے آپ سے ہم گز گئے کب کے
کیا ہے ظاہر میں گر سفر نہ کیا

لطافتِ جسمی

اکثر پائے اقدس دباتے وقت خدام کو سرکارِ انور کا جسم لطیف محسوس ہی نہ ہوتا تھا۔

ع آگے حواس گم خردِ نارسا کے ہیں

نام ونمود سے پرہیز

حقیقت یہ ہے کہ سرکارِ عالی کسی بات میں بھی نمایاں نہ ہوتے تھے، اصولاً اپنی ہستی کو ،نیست، سمجھتے تھے اور عملاً اپنی ذات کی اس حد تک نفی کرتے تھے کہ اپنی زبان سے اپنا نام تک نہ لیتے تھے۔۔۔۔۔نہ کبھی اپنے قلم سے اپنا نام تحریر فرماتے تھے۔

درد کہتا ہے کہ حسرت کا بھی پہلو نہ رہے
دل میں محبوب رہے ، میں نہ رہوں ، تو نہ رہے

شانِ توحید

سیدنا سرکار وارثِ پاک کی ہر بات اور ہرادا میں۔۔۔۔۔''توحید کی شان'' ۔۔۔۔۔نظر آتی تھی۔۔۔۔۔آپ نے اپنے۔۔۔۔۔نفس۔۔۔۔۔سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھا تھا بلکہ اپنے نام ونشان کا خیال تک دل سے نکال دیا تھا۔حتیٰ کہ جس خط میں اپنا نام ملاحظہ فرماتے تو اسے چھوڑ دیتے اور ہرگز اپنی زبان سے اپنا نام نہ پڑھتے۔۔۔۔۔اگر کبھی کسی مرید کے لکھے ہوئے قصیدے میں اپنا نام لکھا ہوا پاتے تو پڑھتے وقت اس کی جگہ اپنے مرشد برحق کا نامِ نامی اسمِ گرامی پڑھتے اور کبھی بھول کر بھی اپنا نام زبان پر نہ لاتے۔۔۔۔۔اس طرح اپنی ہستی کی نفی فرماتے اور۔۔۔۔۔''شان توحید''۔۔۔۔۔کو بہرحال غالب رکھتے۔حقیقت یہ ہے کہ آپ کی نگاہِ حق میں۔۔۔۔۔خدا۔۔۔۔۔کے سوا کوئی چیز تھی ہی نہیں۔۔۔۔۔ہر چیز میں آپ مشاہدۂ یار فرماتے تھے اور آپ کے لفظ لفظ سے۔۔۔۔۔''اسرار توحید'' منکشف ہوتے تھے۔(تذکرۂ وارث از شہاب چشتی صابری اکبرآبادی)

شانِ تجرد

سیدنا سرکار وارث پاک کے۔۔۔۔۔''تجرد کی شان''۔۔۔۔۔بے مثال

تھی-----آپ دنیا کی ہر چیز سے بے تعلق ہو گئے تھے-----باوجود اس کے کہ آپ ایک دولت مند گھر میں پیدا ہوئے تھے-----مال و زر کے وارث اور صاحبِ جائیداد تھے مگر ہوش سنبھالتے ہی سب چیزوں سے بے زاری کا اظہار کر دیا-----دولت خیرات کر دی اور جائیداد رشتہ داروں میں تقسیم فرما دی جو اب تک آپ کے عزیزوں میں چلی آ رہی ہے-----

(تذکرۂ وارث از شہاب چشتی صابری اکبر آبادی)

نہ صرف یہ کہ آپ نے شادی سے پرہیز کیا بلکہ تمام علائق دنیا سے تعلق توڑا-----اور ایک اللہ سے رشتہ جوڑا جو قیامت تک کے لئے مضبوط و مستحکم ہے!

اندازِ گفتگو

تابِ گویائی زباں میں جب تلک باقی رہے
آپ کی شیرینیٔ گفتار کی باتیں کریں

سرکار وارثِ پاک کی باتیں ایسی میٹھی اور رسیلی ہوا کرتی تھیں کہ سننے والے چاہتے تھے کہ آپ فرماتے رہے اور ہم سنتے رہیں۔ (معارفِ وارثیہ از مولوی فضل حسین وارثی)

اکثر ایسا ہوتا کہ لوگ دل میں سوال لاتے اور یہاں کچھ کہنے سے پہلے ہی جواب پاتے۔ سوال کیسا ہی مشکل سے مشکل ہوتا، آپ مختصر جملے میں ایسا مکمل جواب عنایت فرماتے کہ سائل کو کامل اطمینان حاصل ہو جاتا۔ (انوارِ اولیاء مؤلفہ رئیس احمد جعفری)

آپ کی بات بات میں اسرار و رموز پوشیدہ تھے، اشاروں ہی اشاروں میں نکتے پیدا ہوتے تھے۔ گفتگو مختصر مگر جامع ہوتی تھی۔ آپ کے مختصر جملوں کی بڑی سے بڑی وضاحت ہو سکتی تھی۔ (ارمغانِ وارث از مولانا افقر موہانی وارثی)

شرم وحیا

ے طبعیت میں وہ قدرتی شرم جیسے
کہ پردہ نشیں کوئی ناکتخدا ہے

جب کوئی آپ کی تعریف کرتا تو آپ شرما جاتے ،اگر کوئی آپ کی تعریف میں قصیدہ پڑھتا تو حیا سے آپ کی حالت غیر ہو جاتی ،اپنی تعریف وتوصیف سن کر مارے شرم کے اپنی گردن جھکا لیتے ۔آنکھیں ہمیشہ نیچی رہتی تھیں۔

ے نظر اٹھانے میں ہوتا ہے باز پرس کا ڈر
جھکائے رہتے ہیں نظروں کو سرفراز ان کے

خواہ کیسی ہی ہنسی کی بات ہوتی آپ قہقہہ مار کر کبھی نہ ہنستے ،صرف زیرِ لب تبسم فرماتے اور تبسم بھی اس طرح کہ دندانِ مبارک نہ کھلتے تھے ،اس پر بھی یہ شرم تھی کہ منہ پر ہاتھ رکھ لیا کرتے تھے۔ (معارفِ وارثیہ از مولوی فضل حسین وارثی)

لیٹنے بیٹھنے کے آداب

زندگی میں آپ نے جس فعل کو ایک بار اختیار کیا پھر اسے کبھی نہ چھوڑا------ زمین سے پیٹھ لگانا گویا آپ کی وضع داری کے خلاف تھا تمام عمر ضرورتاً بھی کبھی چت نہ لیٹے ۔سنت کے مطابق سیدھی کروٹ آرام فرماتے تھے ۔ہمیشہ سیدھی کروٹ لیٹنے سے سیدھی سمت ،پہلو پر زخم کے نشان پڑ گئے تھے ۔استراحت میں سرِ اقدس------''م''------کی شکل پیدا کرتا اور دستِ مبارک کا تکیہ------''ح''------کی صورت پیدا کرتا اور کمر شریف کسی قدر خم ہوتی جو ------''م''------مکرر بن جاتی اور پائے مبارک------''د''------کی شکل میں ہوتے تھے اس طرح لفظ------محمدؐ------صاف طور پر پڑھا جا سکتا تھا۔

شب وروز میں کبھی کسی نے آپ کو سوتے نہیں دیکھا ۔اگر کبھی کسی نے یہ خیال کیا کہ

آپ سو رہے ہیں تو فوراً آپ بول اٹھتے ----کون ہے؟----اکثر ایسا ہوتا کہ بستر بچھے کا بچھا ہی رہ جاتا اور آپ کو بیٹھے بیٹھے تمام رات گزر جاتی----بیٹھنے کی صورت میں آپ کی نشست کا انداز کچھ ایسا ہوتا تھا کہ اعضائے مبارکہ----ا----ل----اور----ہ----کی شکل پیدا کرتے تھے۔جس سے----اللہ----کا لفظ صاف پڑھنے میں آتا تھا حتیٰ کہ سیدھے ہاتھ کی مٹھی بند رہتی تھی جو----ہ----کی شکل ظاہر کرتی تھی----گویا نشست بھی یادِ الٰہی سے خالی نہ تھی۔اس طرح بیٹھنے میں----اندازِ عاشقی اور لیٹنے میں----شانِ محبوبی----جلوہ گر تھی----!اس کے علاوہ ایک چیز جو ہر وقت دیکھی جا سکتی تھی۔وہ یہ تھی کہ......لیٹتے بیٹھتے ہر وقت ہاتھ کی انگلیوں کے پوروں پر مانند شمار انگوٹھا چلا کرتا تھا۔

(معارفِ وارثیہ از مولوی فضل حسین وارثی)

ع نہیں ہے بندۂ حق کے لئے جہاں میں فراغ

قصہ کہانی

سرکار وارثِ پاک عاشقانہ قصے----سن کر بہت خوش ہوتے تھے----محبت کی کہانیاں بھی محض اس غرض سے ہوتی تھیں کہ کسی فضول باتیں کرنے اور خیال بٹانے کا موقع نہ ملے----خصوصاً استراحت کے وقت قصہ سننا روزانہ کا معمول تھا----قصہ گو----قصہ کہتا رہتا تھا اور آپ----احرام شریف----میں منہ چھپائے----یادِ الٰہی----میں مشغول رہتے----اور----ہونکڑا----برابر دیتے رہتے چنانچہ عام لوگ سمجھتے کہ سرکارِ اقدس قصہ سن رہے ہیں....مگر یہ جاننے والے جانتے تھے کہ یہ----ہونکڑا----تھا----یا----ذکرِ الٰہی----کی ضرب----اور اس کی ضرب کی طرف جب کوئی شخص دھیان دیتا تو آپ چپ ہو جاتے۔

(معارفِ وارثیہ از مولوی فضل حسین وارثی)

جن کا سونا بھی عبادت ، جاگنا بھی بندگی
عاشقانِ مصطفےٰ کی بات ہی کچھ اور ہے

اخلاقِ حسنیٰ

سب کو گرویدہ اپنا بنایا
حسنِ اخلاق کی دلبری سے

حسنِ سلوک

سرکار وارثِ پاک ہر شخص سے تبسم آمیز لہجہ میں خطاب فرماتے تھے اور نام بھی عزت سے لیتے تھے۔ خدام تک سے برابر کا برتاؤ ہوتا تھا ----- آپ اپنے چھوٹوں پر بڑی شفقت فرماتے تھے اور بڑے بوڑھوں کے احترام میں کھڑے ہو جایا کرتے تھے ----- خواہ کیسی ہی ذلیل حالت میں ہوتے، آپ انہیں گلے لگاتے اور اچھی جگہ بٹھاتے ----- سلام کرنے میں ہمیشہ خود سبقت فرماتے ،نووارد سے بڑھ کر خود مصافحہ فرماتے ----- باہر سے آنے والے مریدوں کے اعزاز میں کھڑے ہو جاتے، انہیں اپنے سینے سے لگاتے اور نام بنام سب گھر والوں کی جدا جدا خیریت معلوم فرماتے، ہر چند کہ آپ پر ہر شخص کی حالت روشن تھی پھر بھی آپ ہر شخص کا پردہ رکھتے تھے، کبھی کسی کو جھٹلاتے نہ تھے۔

اگر آپ کے حق میں کسی سے کوئی قصور بھی ہو جاتا تو آپ اسے نظر انداز فرما دیتے اور مسکرا کر بات کا رخ ہی بدل دیتے تھے جس سے کسی کو شرمندگی نہ ہو ----- اگر وقتی طور پر کسی پر ناراض بھی ہوئے تو دوسری ملاقات پر اس طرح خوش ہو کر ملتے جیسے پہلے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو ----- پھر وہی شفقت ----- وہی محبت ----- بلکہ پہلے سے بھی کچھ زیادہ، گویا آپ کا جلال بھی جمال کی شان دکھاتا تھا، چنانچہ بارہا دیکھا گیا کہ جس پر جلال آیا انعام و اکرام کا مستحق ٹھہرا۔

آپ نے کبھی کسی کو غیر نہ سمجھا، آپ کی مجلس میں اپنے ----- پرائے کے الفاظ ہی

متروک تھے۔ سب پر اس درجہ شفقت و محبت فرماتے تھے کہ ہر شخص فخر و ناز کرتا۔ جب کسی دوسرے پیروں کے مرید آپ سے ملنے آتے تو ان پر بھی ویسی ہی شفقت فرماتے ----- ان کے پیروں کی تعریف کرتے ----- اور عزت افزائی کرتے ہوئے فرماتے:

''ہم اور وہ ایک ہیں ----- اور تم تو اپنے ہی ہو -----!''

یہ تھا کہ آپ کے اخلاقِ حسنہ کا کمال، جس کی مثال فی زمانہ ڈھونڈنے سے نہیں ملتی۔

تواضع کا پہلا اور آخری سبق

ایک مرتبہ ایک تعلیم یافتہ مرید نے عرض کی کہ ----- ''سرکار! تواضع کا پہلا سبق کیا ہے؟'' تو ارشاد ہوا کہ:

''جس کو دیکھو خیال کرو کہ یہ مجھ سے بہتر ہے! اور بڑا متواضع اسے کہنا چاہئے جو --- خلق ---- سے ---- خلق ---- اور حق ---- کے ساتھ ---- صدق ---- رکھتا ہو۔''

خود آپ کا اپنے اس مقولہ پر پورا پورا عمل تھا۔

علماء کی تواضع

حضرت سرکار سیدنا وارث پاک، علمائے کرام کی تواضع میں بچھے جاتے تھے، مفتیوں، حافظوں، قاریوں اور عربوں کی خاطر داری میں بڑا جوش و خروش دکھاتے تھے ----- انہیں سفر خرچ عنایت فرماتے ----- اور دیگر ضروریات مہیا کر کے انہیں ----- احرام شریف اور شرینی پیش فرماتے تھے ----- انتہا یہ ہے کہ کوئی مولوی خواہ کیسا ہی دنیا دار اور ظاہر پرست ہوتا ----- آپ اپنی طرف سے اس کی عزت افزائی میں کوئی کمی نہ چھوڑتے، چنانچہ اس سلسلے میں یہ سبق آموز واقعہ ہے کہ ----- ایک مرتبہ ایک مولوی صاحب آپؒ سے ملنے کے لئے آئے، آپ نے اخلاقاً اٹھ کر ان کا خیر مقدم کیا ----- مصافحہ فرمایا ----- اور انہیں اپنی جگہ بٹھایا ----- جب وہ چلے گئے تو حاضرین میں سے ایک صاحب بولے:

''میں ان مولوی صاحب کو خوب جانتا ہوں-----بڑے مکار ہیں۔''

اس بدگوئی کو سخت ناپسند کرتے ہوئے حضرت نے فرمایا:

''کیوں اپنی زبان و دل کو دوسروں کے واسطے خراب کرتے ہو، مولوی صاحب کے معمولی عیب تو بیان کر دیئے مگر وہ خاص ہنر جو ظاہر ظہور ہیں، انہیں نہیں دیکھا-----مولوی صاحب کی مقدس صورت-----شریفانہ تہذیب-----شرعی لباس اور-----ان کی نوارانی داڑھی کی-----کی کوئی قدر نہیں-----جس کو اسلام کے پیشواؤں کی وضع قطع سے خاص نسبت و مشابہت ہے اگر چہ دل کی بدنما خرابیوں کو بزرگوں کی وضع قطع کے پردے میں چھپانا کوئی مستحسن فعل نہیں لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس بندہ نواز کی عنایت سے اچھوں کی نقل کرنے میں دنیاوی فائدے کے علاوہ دین کے بگڑے ہوئے کام بھی سنور جاتے ہیں۔''

شریعت کا احترام

سرکار وارثِ پاک شریعت کا ادب ہر حال میں ملحوظ رکھتے تھے-----نماز کے ادب و احترام میں تو اس قدر غلو فرماتے تھے کہ ہر حال میں اپنے مولا کے حضور ہمیشہ کھڑے ہو کر نماز ادا فرماتے تھے۔ ضعیفی کے باوجود تہجد کی بارہ رکعت بھی کھڑے ہو کر ہی ادا فرماتے رہے حتیٰ کہ اخیر زمانہ میں جب ضعف حد درجہ بڑھ گیا تو بھی یہی اصرار ہوتا کہ نماز کھڑے ہو کر ہی ادا کریں گے۔ آخر جب سجدے سے سر اٹھاتے تھے تو خدام بغلوں میں ہاتھ ڈال کر آپ کو کھڑا کر دیتے اور پکڑے کھڑے رہتے۔ (انوارِ اولیاء مؤلفہ رئیس احمد جعفری)

مسجد کے احترام میں ہمیشہ پیدل نماز کے لئے تشریف لے جاتے، خواہ موسم کیسا ہی سخت ہوتا یا چلچلاتی دھوپ پڑتی مگر آپ سواری ہرگز قبول نہ فرماتے خواہ مسجد کتنی ہی دور ہوتی، آپ ہمیشہ پیدل ہی چل کر مسجد تشریف لے جاتے۔ ایک مرتبہ بانکی پور کے قیام کے دوران موسم کی سختی اور آپ کے ضعف کے پیشِ نظر خان بہادر سید فضل امام صاحب وارثی نے اپنی کوٹھی کے قریب ہی ایک چھوٹی سی مسجد میں نمازِ جمعہ کا انتظام کرا دیا۔ نماز پڑھ کر جب آپ واپس آ گئے تو آپ نے

خان بہادر سے فرمایا:

"فضل امام! تم نے تو اپنی محبت کا حق ادا کر دیا کہ ہم کو دور نہ جانے دیا مگر یہ نقصان ہوا کہ ہماری آج کی مزدوری کم ہوگئی۔" (حیاتِ وارث از شید الکھنوی)

آپ کو مساجد سے بڑی محبت تھی، کبھی کسی مسجد کو ویران دیکھا تو فوراً جلال آ گیا چنانچہ اعلانِ عام فرمایا کہ:

"جو نماز نہ پڑھے وہ ہمارے حلقۂ بیعت سے خارج ہے۔"

یہ سن کر مریدوں میں کہرام مچ گیا، سب مسجد کو دوڑ پڑے، جب مسجد کو آباد دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے:

"یہ مسجد محشر کے دن تمہارے سجدوں کی گواہی دے گی۔"

(حیاتِ وارث از شید الکھنوی)

نماز کی پابندی

نماز کو آپ نے اپنی مریدی کی شرط قرار دیا اور صاف صاف اعلان فرما دیا کہ "جو نماز نہ پڑھے وہ ہمارا مرید ہی نہیں۔"

خود آپ کا یہ عمل تھا کہ پنجگانہ نماز ہمیشہ اول وقت میں ادا فرمایا کرتے تھے۔

(انوارِ اولیاء مؤلفہ رئیس احمد جعفری)

اور فرماتے تھے:

"نماز میں عموماً دیر کرنا کاہلی کی دلیل ہے۔"

(مشکوٰۃ حقانیہ از مولوی فضل حسین وارثی)

نماز کا ہر رکن بہت دیر میں ادا کرتے تھے اور نماز بہت اطمینان سے پڑھتے تھے۔ جس وقت آپ نماز پڑھنے کھڑے ہوتے ------ احرام شریف کو اپنے سر سے مثل گھونگٹ لپیٹ کر، گلے سے ایک پیچ نکال لیتے، اس وقت ایسی شانِ محبوبی نظر آتی کہ ہر شخص کی آنکھ سرکارِ والا کی طرف

اٹھ جاتی----آپ اکثر فرماتے تھے:

''نماز روح کی غذا ہے''

ان تمام ہدایتوں سے آپ کا شوقِ نماز جھلکتا ہے اور نماز کی طرف آپ کی بے پناہ رغبت کا پتہ چلتا ہے----نماز ہی کے سلسلے میں یہ دلچسپ واقعہ پیش آیا جو بڑا عبرتناک بھی ہے ----ہوا یہ کہ پیلی بھیت کے منشی علی گوہر خاں صاحب وارثی کے ہمراہ ایک صاحب مرید ہونے کے لئے آئے----جب وہ مرید ہو گئے تو خانقاہ میں ٹھہرا دیئے گئے----خانقاہ کی مسجد میں با قاعدہ نماز با جماعت ہوتی مگر یہ صاحب نماز کو نہ گئے----ظہر و عصر کی نمازیں قضاء کر دیں۔ مغرب کے وقت سرکاری خدام نے ان سے باز پرس کی تو ان صاحب نے بڑی سادگی سے جواب دیا کہ:

''میں نے سنا ہے کہ جو شخص حاجی صاحب کا مرید ہو جاتا ہے اس پر نماز معاف ہو جاتی ہے، اگر نماز ہی مریدی کی شرط ہے تو میں کہیں اور بھی مرید ہو سکتا تھا۔''

یہ سن کر شاہ فضل حسین صاحب وارثی کو ہنسی آ گئی----آخر خادمِ خاص اوگھٹ شاہ وارثی صاحب نے ان صاحب کو سرکار میں پیش کر دیا----جب سرکار وارث پاک نے ان صاحب کی روداد سنی تو فرمایا:

''اچھا اچھا تین برس اور پڑھو، پھر معاف ہو جائے گی۔''

یہ سن کر وہ خوش خوش واپس آئے اور بڑی پابندی سے نماز پڑھنے لگے----دن گنتے رہے----گنتے رہے----آخر ٹھیک تین سال بعد ان کی نماز واقعی معاف ہو گئی ----اور ہمیشہ کے لئے معاف ہو گئی! یعنی ٹھیک تین سال بعد ان کا انتقال ہو گیا----نتیجہ یہ نکلا کہ آخر دم تک نماز معاف نہیں ہو سکتی! خود سرکار وارثِ پاک آخر وقت تک نماز وقت پر ادا فرماتے رہے بلکہ وصال کے قریب جب استغراق زیادہ بڑھ گیا تو ایک وقت کی نماز ادا کر چکنے کے بعد بھی وہی نماز بار بار ادا کرتے۔

ے جس کو کہتے ہیں تری یاد میں گم ہو جانا!
وہ بھی اک سلسلۂ با خبری ہے اے دوست

نماز کی زیادتی دیکھ کر اگر کوئی کہتا کہ ---- حضور! ابھی تو پڑھ چکے ہیں، تو آپ فرماتے:
''خیر! پھر پڑھ لی، اس میں کیا حرج ہوا؟'' (حیاتِ وارث از منعم بیگ وارثی)

اس سے نماز کے ساتھ آپ کے بے پناہ عشق کا پتہ چلتا ہے، آپ نے اپنے مریدوں کو بھی پرزور الفاظ میں ہدایت فرمائی ہے کہ:
''ہر شخص پر اتباعِ سنت ---- اور پابندیٔ شریعت لازم ہے۔''

حج کا شوق

آپ نے کل سترہ حج کئے اور تمام حج آپ نے اس سادگی سے کئے کہ نہ تو مریدوں کا قافلہ آپ کے ساتھ تھا ---- نہ کوئی خادم ہمرکاب تھا ---- نہ کوئی سامانِ سفر ساتھ لیا ---- نہ سواری کا خیال کیا ---- نہ موسم کی خرابی کا غم ---- نہ راستے کی مشکلات کا کھٹکا ---- جب عشقِ الٰہی نے جوش مارا ---- عاشقِ صادق نے اپنا کمبل اٹھایا ---- اور پیدل دیارِ حبیب کی طرف چل دیا ---- مکے کے راستے کے ہر ذرہ کو آنکھوں سے لگایا اور راہِ مدینہ کے ہر خار کو سر کا تاج بنایا۔ (تعارف از بیدم وارثی)
آپ فرماتے تھے: ''خانہ کعبہ کی زیارت کا شوق تو سبھی کو ہوتا ہے مگر صاحب خانہ کے دیدار کا شوق ہزار میں سے کسی ایک کو ہوتا ہے۔''

ے کہتے ہیں جس کو جنت وہ اک جھلک ہے تری
سب واعظوں کی باقی رنگیں بیانیاں ہیں

''حاجی صاحب'' کا لقب

اس ذوق وشوق اور اس قدر کثرت سے حج کرنے کے باوجود آپ نے اپنے نام کے ساتھ کبھی-----حاجی-----کا لفظ تک نہ لکھوایا، نہ کبھی خود کو-----حاجی-----کہلوایا، مگر منجانب اللہ ایسی شہرتِ عام ہوئی کہ ساری مخلوقِ خدا آپ کو از خود-----حاجی صاحب کہنے لگی، ہندو پاکستان کے کسی حصہ میں چلے جایئے، جہاں فقراء کا ذکر ہوگا تو-----حاجی صاحب ----سے مراد صرف اور صرف---حاجی وارث علی شاہ صاحب---کی ذاتِ گرامی ہوگی۔ حقیقت یہ ہے کہ ربِ کعبہ نے-----احرام----کی طرح-----''حاجی صاحب'' ----کا معزز خطاب بھی آپ ہی کی ذاتِ خاص کے لئے مخصوص کردیا تھا۔

(انوارِ اولیاء مؤلفہ رئیس احمد جعفری)

چنانچہ پہلے حج کے موقع پر آپ نے جو احرام باندھا تو اس میں وہ تجلیات الٰہیہ نظر آئیں کہ پھر اس عاشقانہ لباس کو آپ نے کبھی اپنے جسم سے جدا نہ کیا۔ اسی کے ساتھ حجِ بیت اللہ کی تمام پابندیوں کو ہمیشہ کے لئے اپنے اوپر حاوی کرلیا-----گویا حاجی صاحب قبلہ نے اپنی ساری عمر ہی لباسِ حج میں حالتِ حج کے اندر گزار دی اس طرح زندگی بھر فیوضاتِ حج سے سرشار رہے۔ آخر----احرام شریف----ہی سلسلہ وارثیہ کا ''خرقۂ خاص'' قرار پایا، نیز اسی نسبتِ خاص کے سبب جو سیدنا وارث پاک کو ربِ کعبہ کے ساتھ حاصل تھی، وارثیوں کو حج کی سعادت زیادہ حاصل ہوتی ہے چنانچہ اپنی تعداد کے لحاظ سے ہر مقام پر وارثیوں میں حاجی زیادہ ملیں گے۔

روزہ کی عادت

سرکار وارثِ پاک نے چودہ سال کی عمر میں رمضان شریف کے روزوں کے بعد شش عید کے روزے رکھے تو اسی سلسلے میں-----دائم الصوم-----ہو گئے-----اور ''یوم وصال'' کے روزے رکھنے لگے، دوسرے تیسرے اور کبھی پانچویں دن روزہ افطار کرتے تھے اور

جب آپ نے حجازِ مقدس کا سفر کیا تو متواتر سات سات روز کے بعد افطار فرماتے تھے، مسلسل اٹھارہ سال تک آپ اسی طرح ہفت روزہ افطار فرماتے رہے، افطار بھی نہایت قلیل اور سادہ غذا سے ہوتا تھا۔ سالہا سال گولر کی ابلی ہوئی ترکاری سے بھی افطار فرمایا۔ آپ یہ سنت حضرت مخدوم علی صابر کلیریؒ کی ادا فرماتے تھے۔ کیونکہ طبعاً آپ کی کیفیات حضرت صابر کلیری سے بہت زیادہ مطابقت رکھتی تھیں چنانچہ سلسلہ صابریہ میں حضرت صابر صاحب کے بعد اگر کوئی مقدس ذات اس پائے کی ہوئی ہے تو وہ صرف اور صرف ----- حضرت حاجی وارث علی شاہ صاحب ----- ہی کی ذات ہے۔ (انوار اولیاء از سید رئیس احمد جعفری)

لو شمع حقیقت کی اپنی ہی جگہ پر ہے
فانوس کی گردش میں کیا کیا نظر آتا ہے

سنت کی پیروی

سنت کی پیروی میں آپ شدت فرماتے تھے ----- کثرتِ نوافل سے آپ کے پاؤں متورم ہو کر پھٹ جاتے تھے اور ان سے خون بہنے لگتا تھا۔ زندگی بھر سنت کے مطابق ہمیشہ سیدھی کروٹ لیٹے جس سے سیدھے پہلو پر زخم کے نشان پڑ گئے تھے ----- کھانا خواہ برائے نام چکھا مگر سنت کے مطابق خلال ضرور فرمایا۔ سنت کی پابندی کے طور پر دن میں قیلولہ بھی فرماتے۔ خواہ حالات کیسے ہی ناساز گار ہوتے آپ ہر حال میں سنت پر عمل فرماتے ----- چنانچہ سخت ترین سردی کے موسم میں بھی جمعہ کے دن غسل فرماتے حتیٰ کہ جمعہ کو بارش بھی ہو رہی ہوتی تب بھی آپ غسل ضرور فرماتے ----- سنت کی باریکیوں پر آپ کا عمل تھا ----- چنانچہ ریش مبارک میں روزانہ باقاعدہ طور پر شانہ ہوتا تھا۔ سرمہ بھی عین سنت کے مطابق سیدھی آنکھ میں تین سلائی اور الٹی آنکھ میں دو سلائی لگایا جاتا تھا ----- آپ نے کسی سنت میں کبھی ذرہ بھر رد و بدل پسند نہ فرمایا ----- تین دن سے زیادہ کبھی کسی کے یہاں مہمان نہ ٹھہرے اور اپنے میزبان سے کسی فرمائش تک کا اشارہ تک نہ فرمایا غرضیکہ اتباع سنت کو آپ نے اپنے عمل سے اس نقطۂ عروج تک

پہنچایا جو اسلاف کا معراجِ کمال ہے۔

کھانے پینے کے آداب

جب کبھی پیاس لگتی تو آپ کبھی یہ نہ فرماتے کہ---پانی لاؤ!---یا---پانی پلاؤ!
-----کیونکہ اس میں سوال کی صورت پیدا ہو جاتی ہے، آپ تو سنت کے عین مطابق فرماتے:

''پانی پی لیں''-----یا-----پانی پی لوں۔''

اگر خادم نے عرض کیا کہ-----ابھی تو آپ نے پانی پیا تھا-----تو آپ چپ ہو جاتے -----اگر وہ پانی پلا دیتا تو پی لیتے-----اس سے آپ کی کمال درجہ کی تسلیم و رضا کی شان ظاہر ہوتی ہے۔

ہمیشہ سنت کے مطابق سر ڈھانپ کر-----اور-----اکڑوں بیٹھ کر----- کھانا تناول فرماتے-----لذیذ کھانوں کی طرف کبھی رغبت نہ فرماتے----- پہلے ہی معلوم کر لیتے کہ-----دال کس میں ہے؟ یا پھر شوربے کے پیالے میں روٹی توڑ کر-----ثرید -----بنا لیتے جسے تاجدارِ مدینہ ﷺ نے-----''خیر الطعام'' سے تعبیر فرمایا۔

مرید بڑے چاؤ سے عمدہ عمدہ کھانے پکوا لاتے-----ان سب کا دل رکھنے کے لئے آپ سب کھانوں میں سے تھوڑا تھوڑا لے کر ایک پیالے میں گڈمڈ کر لیتے، پھر ایک دو لقمے تناول فرما لیتے جس سے کسی خاص ذائقہ کا پتہ نہ چلتا، اخیر زمانہ میں تو زبان سے ذائقہ کی لذت کا احساس ہی فنا ہو گیا۔ اکثر ایسا ہوا کہ مریدوں کی خوشی کی خاطر دودھ چاول چکھے اور شکریئے کے طور پر فرمایا:

''دال اچھی پکی ہے۔''

صوفیائے کرام نے اسی کو-----ترکِ صادق-----کہا ہے یہ مجاہدہ بہت سخت ہے کسی کسی خوش نصیب کو یہ مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔

خاص غذا

آپ کی غذا بہت سادہ اور نہایت قلیل تھی جس کی مقدار شروع میں ۵ تولہ تھی جس میں کمی ہوتے ہوتے ۱۹۰۰ء میں یومیہ غذا صرف ایک تولہ کے قریب رہ گئی، وہ بھی خادم کی ضد سے کھائی، ورنہ ہفتہ ہفتہ بھر کچھ نہ چکھا----اصل میں آپ کی غذا----ذکرِ الٰہی---تھی۔

اللہ کا نام

ایک مرتبہ سرکارِ اقدس لکھنؤ کے مشہور بزرگ----شاہ مینٰاؒ----کے مزار پر فاتحہ خوانی کے لئے تشریف لے جا رہے تھے، شاہ فضل حسین صاحب وارثی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے فرمایا:

''فضل حسین تھوڑے سے بتاشے مول لیتے آؤ''

انہوں نے عرض کی----اگر اجازت ہو تو کوئی اور بھی مٹھائی لیتا آؤں؟

آپ نے جواب دیا:

''نہیں بتاشے اچھی چیز ہے----اس کے کھانے سے جو چڑ چڑاہٹ ہوتی ہے اس سے----اللہ کا نام نکلتا ہے۔''

زاہد کی تعریف

آپ سے کسی نے زہد کی تعریف پوچھی تو آپ نے فرمایا:

''دو چار فاقوں کے بعد نمک کے ساتھ روٹی کھانے کا نام زہد نہیں بلکہ زاہد وہ ہے جو دنیا سے پرہیز کرے----خواہشات کو روکے اور مرادوں کو بھول جائے، بھوک اور سیر شکمی کا اس پر یکساں اثر ہو، کوئی چیز اس کے پاس نہ ہو تو مطمئن رہے اور جب کوئی چیز آجائے تو اسے دینے کے لئے دل بے چین ہو۔'' (مشکوٰۃ حقانیہ از مولوی فضل حسین وارثی)

حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام منزلیں سرکارِ عالی وقار خود طے کر چکے تھے چنانچہ تمام عمر منشائے الٰہی سے اختلافات کا کبھی اشارہ تک نہ کیا اور نہ مرضیٔ مولا کے خلاف کوئی قدم اٹھایا۔

تعویذ گنڈے کی ممانعت

سرکار وارثِ پاک عشقِ الٰہی سے سرشار تھے اس لئے طبعاً -----تعویذ، گنڈوں، چلے، وظیفوں اور عملیات کے قطعی خلاف تھے، خود فرماتے تھے:

''ہمارا مشرب عشق ہے جس میں انتظام حرام ہے اور رضائے شاہدِ حقیقی کے سامنے سرخم کرنا فرضِ عین ہے۔''

چنانچہ اپنے اسی مشرب کے مطابق آپ نے اپنے خرقہ پوشوں کو بھی سختی سے یہی ہدایت فرمائی کہ:

''فقیر کو چاہئے کہ نہ گنڈا کرے-----نہ تعویذ دے-----!''

کیونکہ ''وہ اہلِ رضا'' جو محض اللہ کی ذاتِ خاص پر کامل توکل کرتے ہیں ان کی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ ذاتِ الٰہی کے ماسوا دوسرے اسباب کا خیال تک دل میں نہیں لاتے اور محض راضی بہ رضائے الٰہی رہتے ہیں۔ (حیاتِ وارث از شیدا وارثی)

؎ دعا میں ذکر کیوں ہو مدعا کا
کہ یہ شیوہ نہیں اہلِ رضا کا (حسرت موہانی)

درود شریف کی ہدایت

اگر کوئی شخص ورد و وظیفہ پڑھنے کی اجازت چاہتا تو آپ عام طور پر صرف درود شریف پڑھنے کی اجازت دیتے اور فرمادیتے کہ اللہ کے واسطے پڑھنا، دنیا کے واسطے نہ پڑھنا، چنانچہ ایک مرتبہ قاسم جان انسپکٹر پولیس نے اصرار کیا کہ کچھ پڑھنے کی اجازت دے دی جائے----- سرکارِ والا نے درود شریف کی اجازت دے کر فرمایا:

''اللہ کے واسطے پڑھنا----دنیا کے واسطے نہ پڑھنا۔''

انسپکٹر صاحب اس وقت ڈپٹی کلکٹر نامزد ہونے والے تھے انہوں نے اسی لئے پڑھنا شروع کیا----نتیجہ یہ ہوا کہ انسپکٹری سے بھی معزول ہوگئے۔

غرضیکہ ہر کس و ناکس کو بجز درود شریف کی اجازت کے اور کچھ پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے تھے----ایک پرانے مرید نے عرض کیا کہ:

''حضور ہمارا ایمان ہے کہ محبت ایک عطائی نعمت ہوتی ہے جسے محنت سے حاصل نہیں کیا جاسکتا----لیکن کوئی ایسا طریقہ بھی ہے کہ محبت نہ سہی----محبتِ الٰہی----کی طرف دل کی رغبت ہوجائے؟''

آپ نے مسکرا کر جواب دیا:

اگر محبتِ الٰہی کا بہت شوق ہے تو یہ درود شریف کثرت سے پڑھا کرو:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ بِقَدْرِ حُسْنِهٖ وَجَمَالِهٖ

اس کے پڑھنے سے دل نرم ہوجاتا ہے اور محبت اثر کرنے لگتی ہے۔

(حیاتِ وارث از شیدا وارثی)

قرآن پاک سے محبت

سرکار وارثِ پاک کو علم القرآن پر بڑا عبور حاصل تھا، ساتوں قرأتوں کے ماہر تھے۔ خصوصاً مدنی اور مصری قرأتوں کا بہت شوق تھا۔ شروع زمانہ میں پورا کلامِ مجید روزانہ ختم فرمالیا کرتے تھے حتیٰ کہ سفر میں ایک کوس میں تین پارے اور دس کوس میں پورا کلام پاک ختم فرمایا کرتے تھے۔ روزانہ بعد نمازِ ظہر باقاعدگی سے تلاوت فرمایا کرتے تھے، بچوں کے ختمِ قرآن پر جو دھوم دھام ہوتی تھی۔ اس سے آپ بہت خوش ہوتے تھے۔

(معارفِ وارثیہ از مولوی فضل حسین وارثی)

محرم الحرام کا احترام

آستانہ عالیہ میں محرم الحرام میں خیرات کثرت سے ہوتی تھی، لنگر اور شربت کی سبیل جاری رہتی تھی، خاص طور پر اس ماہ میں آپ کلامِ پاک کی تلاوت بہت زیادہ فرمایا کرتے تھے۔ غم کی ایک خاص کیفیت آپ پر ہمہ وقت طاری رہتی تھی۔ تعزیوں کو دیکھ کر چہرۂ انور کی حالت متغیر ہو جاتی۔ صحیح روایات کے ساتھ ذکرِ شہادت سنا کرتے اور ایسے مرثیے بھی سننا پسند فرماتے جن میں کربلا والوں کی شجاعت کا ذکر ہوتا مگر جب ماتم یا بین وغیرہ کا کوئی بند آجاتا تو فرماتے:

''یہ غلط ہے، وہ لوگ تسلیم ورضا پر قائم تھے-----!''

گیارہویں شریف کا اہتمام

گیارہویں شریف کی تقریبات سے آپ کو خاص رغبت تھی، خود اپنے یہاں گیارہویں شریف کا اہتمام فرماتے تھے، اگر فاتحہ کے لئے کوئی شیرینی لاتا تو آپ خود فاتحہ دیا کرتے۔

(معارفِ وارثیہ از مولوی فضل حسین وارثی)

میلاد شریف میں قیام

میلاد شریف کی محفلوں سے آپ کو عشق تھا، ضعیفی سے پہلے تو آپ ایسی نورانی محفلوں میں خود چل کر تشریف لے جایا کرتے تھے اور-----ذوق وشوق سے سلام پڑھتے تھے----- ادب سے قیام فرمایا کرتے تھے-----اس کے بعد آخر وقت تک آپ خود اپنے یہاں میلاد کی محفل منعقد فرماتے رہے۔ (مشکوٰۃ حقانیہ از مولوی فضل حسین وارثی)

آپ کے ذوق وشوق کو دیکھ کر آپ کے مرید باصفا خواجہ محمد اکبر وارثی میرٹھی نے -----میلادِ اکبر-----تصنیف کی جسے اللہ پاک نے وہ قبولِ عام بخشا کہ آج پاک وہند کے بچہ بچہ کی زبان پر ان کی نعتیں اور سلام:

''یا نبی سلام علیک ،یا رسول سلام علیک''

رواں ہے---- آج تک نہ کوئی سلام اس قدر پڑھا گیا اور نہ سنا گیا۔

(نعتیہ شاعری از ڈاکٹر فرمان فتح پوری)

طریقت کا ادب

سرکار وارثِ پاک کی پاکیزہ زندگی ادب کے مہکتے ہوئے پھولوں کا حسین گلدستہ تھی چنانچہ آپ ساری عمر اپنے مولا کے حضور باادب رہے، زندگی میں نہ کبھی آلتی پالتی مار کر بیٹھے ----- نہ کبھی پیر پر پیر رکھا ----- اور نہ ہی کبھی پاؤں پھیلائے ----- بلکہ اکثر نماز جیسی حالت میں بیٹھے رہتے تھے ----- بہت کیا تو دایاں ہاتھ سہارے کے لئے زمین پر ٹیک لیا، نشست میں کبھی نہ زیرِ کمر مسند لگائی ---- نہ سہارے کے لئے پہلو میں کبھی تکیہ رکھا -----

انتہا یہ کہ آرام کی خاطر آپ نے کبھی زمین سے پیٹھ تک نہ لگائی اور ہمیشہ یہی ہدایت فرمائی کہ:۔

''مرید کی ترقی کا زینہ ادب ہے۔'' (منہاج العشقیہ از شیدا وارثی)

اور ---- ''ادب یہ ہے کہ راہِ طلب میں فقیر ننگے سر اور ننگے پیر رہے!''

چنانچہ آپ راہِ طلب میں ساری عمر ننگے سر اور ننگے پیر چلتے رہے، اس سلسلے میں فرماتے تھے کہ ''جوتا، ٹوپی تو فقط آرام کے لئے پہنتے ہیں اور فقیر کو تو آرام اور تکلیف برابر ہے۔''

چنانچہ آپ نے زہد و قناعت کی وہ شان دکھائی کہ آرام و آلام کا فرق ہی مٹ گیا -----! (منہاج العشقیہ از شیدا وارثی)

آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ:

''خود بینی شریعت میں آدابِ بندگی کے خلاف ہے۔''

چنانچہ خود بینی و خود ستائی کے خلاف آپ نے آدابِ بندگی اس حد تک اپنایا کہ عاجزی و انکساری کی مکمل تصویر بن گئے!

ایک مرتبہ آپ کے مرید نے عرض کیا کہ:

''میں اپنے کسی ذاتی کام سے اجمیر شریف گیا تھا----مگر جس کام کے لئے گیا تھا وہ کام بھی نہ ہوا اور ہوٹل سے میرے کپڑوں کا بکس بھی چوری ہو گیا۔''

آپ نے جب یہ واقعہ سن لیا تو دریافت فرمایا:

''کیا اجمیر شریف کے دورانِ قیام خواجہ صاحب کے سلام کو بھی گئے تھے؟''

مرید نے عرض کیا کہ:

''ایسی الجھنوں میں پھنسا رہا کہ درگاہ شریف تک جانے کی فرصت ہی نہ مل سکی۔''

اس پر آپ نے فرمایا:

''اس بے ادبی کی یہ سزا ملی۔''

اس کے بعد آپ نے سمجھایا کہ:

''طریقت کا ادب یہ ہے کہ جس شہر میں ایک رات بھی ٹھہرے وہاں کے مشہور اولیاء اللہ کے مزارات پر ضرور حاضری دینی چاہئے۔''

خود آپ کا یہ دستور تھا کہ آپ جس بستی میں وارد ہوتے تو وہاں کے اولیاء کرام کے مزارات پر ضرور تشریف لے جاتے تھے۔

نیز بستی کے عام قبرستان میں بھی فاتحہ پڑھنے ضرور جایا کرتے تھے۔

(معارفِ وارثیہ از مولوی فضل حسین وارثی)

ایک موقع پر مثنوی شریف پڑھتے ہوئے خصوصیاتِ ادب کا ذکر آیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

''ادب کا خاصہ یہ بھی ہے کہ----آدمی وعدہ کرتا ہے تو یاد رکھتا ہے----اور احسان کرتا ہے تو اسے بھول جاتا ہے۔''

آدابِ محبت کے سلسلے میں آپ نے فرمایا کہ:

''محبت کا ادب یہ ہے کہ معشوق کی جس چیز کو دیکھے اچھی معلوم ہو۔''

(مشکوٰۃ حقانیہ از مولوی فضل حسین وارثی)

وضعداری

؎ اور بھی تلخ ہو گیا جینا
وضعداری کا جب خیال آیا

سرکار وارثِ پاک نے وضعداری کے پردے میں سخت سے سخت مجاہدہ سر کیا پابندیٔ وضع کا یہ عالم تھا کہ جو بات ایک بار آپ سے سرزد ہو گئی پھر وہ ہمیشہ کے لئے آپ کی مستقل عادت بن گئی حتیٰ کہ روزمرہ کی ذرا ذرا سی باتوں میں بھی وضع کی پابندی کا خیال رکھا اور ہر حال میں اپنے قول و فعل کو نبھا کر اپنی وضع داری کا ثبوت دیا۔ اپنے اصولوں کی بڑی سختی سے پابندی فرماتے تھے غرضیکہ اٹھنے، بیٹھنے، کھانے، پینے، نہانے، دھونے ہر کام میں سختی سے وقت کی پابندی کا لحاظ رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ سفر کے دوران بھی معمولات کی پابندی فرماتے تھے۔

وضعداری کا پھل

آپ اپنے مریدوں کو بھی وضع کی پابندی کی تلقین فرماتے تھے----- چنانچہ جب کسی باہمت مرید نے اس کی پابندی کی تو آپ نے اس پر لطف و کرم کی بارش فرما دی----- چنانچہ اس سلسلے کا ایک حیرت ناک واقعہ پیش کیا جاتا ہے۔

عظیم آباد کے ایک وکیل محمد یحییٰ صاحب وارثی ہمیشہ سے اپنے دستور کے مطابق مخصوص تاریخوں میں بڑی پابندی سے سرکار میں حاضر ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ انہیں مخصوص تاریخوں میں ان کی بیٹی کو ناگاہ ہیضہ ہو گیا اور اس کی جان کے لالے پڑ گئے مگر وکیل صاحب اپنی بیمار بیٹی کو اسی دگرگوں حالت میں چھوڑ کر اپنے گھر سے روانہ ہوئے اور دستور کے مطابق سرکار میں حاضر ہوئے۔ دوسرے دن عظیم آباد سے ڈاکٹر اسد علی خاں صاحب کا تار آیا کہ----- لڑکی کا انتقال ہو گیا----- جب وکیل صاحب کی بیٹی کی موت کی خبر سرکارِ عالم پناہ تک پہنچی تو آپ نے وکیل صاحب کو پاس بلا کر فرمایا:

''وکیل صاحب تم نے اپنی وضعداری دکھا دی.....لیکن اکثر مریضوں کو سکتہ بھی ہو جاتا ہے اور تیمادار سمجھتے ہیں کہ مر گیا۔''

اس وقت تو حاضرین نے سرکارِ اقدس کی اس گفتگو کا مطلب نہ سمجھا مگر تیسرے دن وکیل صاحب کے برادرِ نسبتی ----نواب سید امداد امام صاحب کا خط آیا کہ----مرنے کے چھ گھنٹے بعد لڑکی زندہ ہو گئی اور اب اچھی ہے۔ (حیاتِ وارث از شیداوارثی)

اور یہ بالکل وہی وقت تھا جب سرکارِ عالم پناہ کی زبانِ اقدس سے حیات افروز الفاظ صادر ہو رہے تھے۔

فقر و رضا

سرکار وارثِ پاک تمام عمر راضی برضائے الٰہی رہے----آپ فرمایا کرتے تھے:

''محبوب کی شکایت مذہبِ عشاق میں کفر ہے۔''

چنانچہ----''فقیر کو چاہئے کہ ہر حال میں خوش رہے۔''

کیونکہ----''معشوق کا ترسانا اور حجاب وعتاب ہی رحم وفضل ہے۔''

اس لئے----''اپنی تکلیف کسی سے بیان نہ کرنا----خدا سب دیکھتا ہے۔''

اور پھر بھلا----''معشوق کی دی ہوئی تکلیف کسے میسر آتی ہے۔''

اس لئے----''عاشق کو لازم ہے کہ سر کٹ جائے مگر شکایت نہ کرے کیونکہ قاتل بھی تو غیر نہیں۔''

اپنے مریدوں کو آپ یہی سمجھاتے تھے کہ:

''تکلیف وراحت سب خدا کی جانب سے ہے تو پھر شکایت کس سے کرو گے؟''

اور خود زندگی بھر آپ کا یہ عمل رہا کہ:

نہ کبھی گرمی کی شکایت کی----نہ سردی کا شکوہ کیا----نہ کبھی صحت کی آرزو کی----نہ کسی بیماری کا ذکر کیا----! کیونکہ آپ کا قول تھا کہ:

''عاشق کا منصب یہ ہے کہ معشوق کے آگے سرِ تسلیم خم رہے جیسے غسال کے ہاتھ میں مردہ بے ختیار ہوتا ہے۔''

اور ----''تسلیم ورضا تو جب ہے کہ شر کو بھی خیر سمجھے اور خیر تو خیر ہی ہے۔''

اپنے مریدوں کو آپ تعلیم فرماتے تھے کہ:

''معشوق کی جفا کو عاشق عطا سمجھتا ہے۔''

کیونکہ ----''رضائے یار عاشق کا ایمان ہے۔''

خود آپ نے اپنی تمام زندگی میں کبھی منشائے الٰہی سے اختلاف کا اشارہ تک نہ دیا حتیٰ کہ دعا اور بد دعا تک سے احتراز فرمایا۔

نہ مانگ زاہدِ ناداں ذرا سمجھ تو سہی
شکائتیں ہیں یہ کس کی دعا کے پردے میں

تسلیم ورضا کے معیار کو آپ نے اس قدر بلند فرمایا کہ ارشاد ہوتا تھا:

''فقیر کو چاہئے کہ اللہ سے بھی نہ مانگے ----کیا وہ نہیں جانتا جو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔''

سچ فرمایا

نگہِ یار کے مخصوص اشاروں کے سوا
مذہبِ عشق میں ہے کفر نہ ایمان کوئی

اپنے فقیروں کو آپ دنیا سے بے نیازی کا سبق دیتے ہوئے فرمایا کرتے تھے:

''فقیر کو کسی سے ناخوش نہ ہونا چاہئے اس سے مطلب نہیں کہ اس سے کوئی خوش ہے یا ناخوش۔''

کیونکہ ----''عاشق نہ تعریف سے خوش ہوتا ہے نہ ملامت سے رنجیدہ۔''

اس طرح ----''عاشق سب کو چھوڑتا ہے تو یار سے ملتا ہے۔''

اور یہ سچ ہے کہ ----- "فقیر وہ ہے جس کے پاس سوائے خدا کے کچھ نہ ہو۔"
(حیاتِ وارث از شیدا وارثی۔ مشکوٰۃ حقانیہ از مولوی فضل حسین وارثی۔ تذکرہ اولیاء از رئیس احمد جعفری)

آفتابِ ولایت کا نورانی سراپا شریف

کتنے روشن ہیں وہ عارض، کتنے شریں ہیں وہ لب
راستہ کٹ جائے گا ذکرِ بتاں کرتے چلو

چہرہ----- کتابی، شگفتہ اور نورانی!

پیشانی----- کشادہ **بینی**----- بلند

دہن----- تنگ **ہونٹ**----- گلابی باریک اور نازک جن پر مسکراہٹ کھیلتی رہتی تھی

آنکھیں----- عقابی و شرمیلی اور شرابی "جیسے دو کوثر کے پیالے"

پلکیں----- دراز جیسے حجرۂ انوارِ الٰہیہ کی چلمنیں

دانت----- نہ بہت چھوٹے، نہ بڑے بلکہ متوسط جیسے سچے موتیوں کی چمکدار لڑیاں

سر کے بال----- بل کھائے ہوئے، چمکدار، کبھی نرمۂ گوش کبھی شانے تک

ہتھیلیاں----- گداز اور پر گوشت

انگلیاں----- لمبی لمبی، پتلی پتلی

ہاتھ----- لانبے

شانے----- گول

سینہ----- آئینہ کی طرح صاف وشفاف

گردن----- نہایت خوش نما، اونچی

سر مبارک----- سب میں بلند

بھویں----- دراز، محراب دار

پائے مبارک----- متوسط

تلوے----- پھول کی طرح نرم ونازک، آئینہ کی طرح صاف، شفاف

ہاتھوں کی انگلیوں کی مجموعی ہیئت----- پنجۂ شیر کی مانند

قدِ رعنا----- بلند و بالا، ہر مجمع میں سر بلند رہنے والا

تمام اعضاء----- مجموعی طور پر نہایت موزوں، متناسب اور سڈول، نور کے سانچے میں ڈھلے ہوئے

شخصیت----- نہایت پُر کشش، مؤثر اور مرعوب کن، کبھی جلالِ الٰہی کا نمونہ، کبھی جمالِ خداوندی کا آئینہ۔ (معارفِ وارثیہ از مولوی فضل حسین وارثی)

پائے مبارک: نازک پھول، شفاف آئینہ

سیدنا وارث پاک کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ تمام دنیا کا پیدل سفر کرڈالا مگر نہ پاؤں میں گھٹا پڑا، نہ تلوے کھر درے ہوئے بلکہ آپ کے پاؤں کے تلوے ماں کی گود میں رہنے والے بچے کے تلوے سے بھی زیادہ ملائم تھے----- جیسے نازک پھول، شفاف آئینہ.... آپ دور دراز کا پیدل سفر کرتے ہوئے واپس آتے تو پائے مبارک صاف وشفاف دیکھ کر لوگ حیران رہ جاتے۔

(حیاتِ وارث از شیدا وارثی)

بارہا امتحاناً آپ کے راستے میں پانی پھیلا کر کیچڑ پیدا کر دی گئی اور آپ کی نشست گاہ پر سفید فرش بچھا دیا گیا مگر آپ کیچڑ پر سے ننگے پاؤں چل کر جب سفید چاندنی پر پہنچے تو اس پر مطلق کوئی داغ دھبہ نہ آیا۔ (وسیلۂ بخشائش از مرزا قاسم جان وارثی)

چنانچہ اسی قسم کا ایک واقعہ ملیح آباد میں پیش آیا.... جب ملیح آباد تشریف لے گئے تو جوش ملیح آبادی کے بزرگوار----- بشیر احمد خاں وارثی نے بڑی عقیدت سے آپ کو اپنے ہاں ٹھہرایا اور اپنے خاندان والوں کو آپ سے بیعت کرایا----- اس کے بعد ملیح آباد کے تعلقدار محمد احمد خاں صاحب وارثی نے باصرار آپ کو اپنے مکان پر مدعو کیا چنانچہ جب آپ وہاں تشریف لے گئے تو ان کی مستورات نے یہ سن رکھا تھا کہ سرکارِ پرانوار کے پاؤں خاک آلود نہیں ہوتے اور کیچڑ

میں بھی صاف شفاف رہتے ہیں چنانچہ آزمائش کے لیے سفید چاندنی بچھا کر راستے میں پانی چھڑکوا دیا----جب سرکارِ عالی وقار کیچڑ پر چل کر سفید چاندنی پر پہنچے تو گھر والے یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے کہ چاندنی صاف شفاف تھی----ذرا سا دھبہ تک نہ آیا تھا----اس وقت تشریف فرما ہو کر آپ نے صرف اتنا فرمایا:

''فقیروں کو آزمایا نہیں کرتے۔''

مرید باصفا محمد احمد صاحب تعلقدار کو جب اس جملے کی حقیقت معلوم ہوئی تو اپنے گھر والوں پر بہت برہم ہوئے۔ (پیغامِ حیات از حیات وارثی لکھنوی)

جنوں کی آزمائش کرنے والو!
محبت ماورائے امتحاں ہے (کاوشؔ)

خوشبوئے سیادت

ایک خاص بات جو ہر وقت محسوس کی جاتی تھی وہ آپ کے جسمِ اطہر کی----- خوشبوئے دل آویز تھی جس کو دنیا کی کسی خوشبو سے تشبیہ نہیں دی جا سکتی----- سیادت -----کی اس مشک بیز خوشبو کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ آپ کے جسمِ اطہر سے جو کپڑا چھو جاتا وہ بھی اس خاص خوشبو میں رچ بس جاتا تھا، آج بھی اس تیز خوشبو کا یہ اثر قائم ہے کہ مزارِ مبارک پر چڑھائی جانے والی چادریں اپنی اصلی خوشبو کھو کر اس خاص خوشبو میں بس جاتی ہیں۔ جو آپ کے جسمِ اطہر میں رچی بسی ہوئی تھی۔ موجودہ دور میں یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے۔

(معارفِ وارثیہ از مولوی فضل حسین وارثی)

مگس کو باغ میں جانے نہ دینا

دیوے شریف میں عرس مبارک کے موقع پر درگاہِ عالی کے آس پاس منوں مٹھائی، مصری، بتاشوں اور گنڈیریوں کے ڈھیر لگے ہوتے ہیں مگر تمام عرس گاہ میں دور دور تک کہیں ایک

مکھی بھی نظر نہیں آتی ، یہ ہمیشہ کا تجربہ ہے کسی کو انکار کی گنجائش نہیں.....اور ایسا کیوں نہ ہو آپ کا ہر سانس ذکرِ الٰہی سے مشکبار تھا۔اور آپ کا ہر لحہ-----یادِ الٰہی-----سے پر بہار تھا-----آپ کی زندگی نفاست اور لطافت کا مہکتا ہوا گلزار تھی آپ کی حد سے فزوں نفاست پسندی کی یہ ایک تابناک مثال ہے۔

السلام اے آفتابِ اولیاء
السلام اے شمعِ بزمِ انبیاء

سرکار وارث پاک کی شانِ عیسوی

علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل (الحدیث)

ترجمہ: ''میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی مثل ہیں۔''

یہاں علماء سے مراد علماء حق ہیں جو دراصل اولیاء کرام ہی ہیں، وہ انبیاء سابقین کے قدم پر ہوتے ہیں یا ان کے قلب پر ہوتے ہیں----یعنی فطری طور پر وہ انہیں روحانی اقدار سے نسبت رکھتے ہیں جو انبیاء سلف کا طرۂ امتیاز تھیں، چنانچہ جو ولی جس نبی کی فطرت پر ہوتا ہے، وہ اس کی روحانی اقدار کا وارث ہوتا ہے----اس وراثتِ روحانی کا اظہار ولی کی عادات و اطوار سے ہوتا ہے----اسی اصول کے مطابق حضرت صابر کلیریؒ کی ولایت موسوی تھی اور سیدنا وارث پاک کی شان عیسوی تھی۔

چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وضع قطع کے سلسلے میں احادیث میں منقول ہے:

''آپ کے لباس میں زرد رنگ کی دو چادریں بصورتِ احرام تھیں----بال چمکدار اور تا بدوش دراز----رنگ صبیح، سرخی مائل----ننگے سر، ننگے پاؤں----فرش خاک بستر----اینٹ یا پتھر کا تکیہ زیرِ سر رہتا تھا----!''

اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام تجرید کامل کا نمونہ اور حقانیت کا مجسمہ تھے----

یہی آثارِ عیسوی اور صفاتِ روح الالہی بصورتِ دیگر سیدنا وارث پاک میں روشن نظر آتے ہیں چنانچہ سیدنا وارث پاک بھی زندگی بھر مجرد رہے، ہمیشہ زمین ہی کو اپنا بستر بنایا----کبھی تکیہ سرہانے نہ لگایا، راہِ فقر میں ہمیشہ ننگے سر اور ننگے پاؤں چلتے رہے، زہدِ کاملہ کا نمونہ بن کر ساری زندگی ایک احرام میں گزار دی----اس طرح آپ نے اس اصول تصوف کو ثابت کر دکھایا کہ----''امتِ محمدی کے اولیاء کرام----انبیاء علیہ السلام کے آثار ہوتے ہیں۔''

یہ بات احادیث صحیحہ سے بھی ثابت ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمرؓ کی نسبت فرمایا:

"تم ابراہیم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کی مثل ہو۔"

چنانچہ امتِ محمدی میں کوئی ولی شانِ عیسوی کا حامل ہوتا ہے تو کوئی جاہ و جلالِ موسوی کا مالک ہوتا ہے!-----کسی سے اوج و کمالِ ابراہیمی ٹپکتا ہے تو کسی سے حسن و جمالِ یوسفی جھلکتا ہے-----لیکن یہ سب دراصل شانِ مصطفےٰ ہی کے مختلف کرشمے ہیں۔

حسنِ یوسف ، دمِ عیسیٰ ، ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

چنانچہ سیدنا وارث پاک اپنی مجموعی ہیئت کے لحاظ سے زرد احرام میں ملبوس امتِ محمدی میں چلتے پھرتے شانِ عیسوی کے مظہر اتم دکھائی دیتے تھے۔

السلام اے پرتوِ مہرِ حقیقت السلام

السلام اے مطلعِ انوارِ وحدت السلام

وصالِ حق

اخیر عمر میں ضعیفی اور کمزوری کے سبب سیر و سیاحت تو موقوف ہو چکی تھی مگر آستانہ عالیہ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا جس کا جی چاہتا بلا روک ٹوک سرکار میں چلا جاتا چنانچہ فتح پور کے ایک مجذوب درویش کی یہ بڑ رہا کرتی تھی:۔

''یارو! ابھی دربارِ عام ہے----- چلو! آستانے کا دروازہ کھلا ہوا ہے----- عنقریب دربارِ خاص ہوا چاہتا ہے----- دروازہ بند ہو جائے گا۔''

(انوارِاولیاء از سید رئیس احمد جعفری)

چنانچہ ایسا ہی ہو----- چندے حکم ہو گیا کہ دروازہ بند رہا کرے، اب استغراق ہر وقت ہی طاری رہنے لگا تھا۔

اوگھٹ جوگی وہی گنی جو اپنی سدھ بسرائے
گیان رہے اور دھیان رکھے اور سانس نہ خالی جائے (اوگھٹ شاہ وارثی)

آخر ۱۹۰۴ء تک تو یہ نوبت پہنچی کہ استغراق ہمہ وقت محویت کی حد تک تجاوز کر گیا ----- آپ ہر وقت محوِ جمالِ یار رہنے لگے مگر اس گہرے استغراق کے باوجود یہ بات تعجب خیز تھی کہ جب کوئی طالبِ حق آتا تو آپ ہوشیار ہو جاتے اور کامل رہنمائی فرماتے کہ سائل کی تشفی ہو جاتی----- دین و دنیا سنور جاتی، آپ نے اپنی بے حد و بے حساب ضعف و علالت کے باوجود تبلیغ و تلقین کو کسی دوسرے وقت کے لئے ملتوی نہ فرمایا۔ زندگی کے آخری لمحات تک رشد و ہدایت کا فریضۂ محبت ادا فرماتے رہے۔

اس میکدے میں بٹتی ہے روحانیت کی مے
اس میکدے سے کوئی بھی پیاسا نہ جائے گا

اس سلسلے میں نہ کبھی مرض کی شدت کا عذر کیا نہ کسی دکھ تکلیف کا اشارہ تک فرمایا، ہر وقت ہر طالبِ حق کو اپنایا، ویسے بھی آپ کا صبر و تحمل تو مشہور ہی تھا، چہرے کا رنگ متغیر دیکھ کر لوگ

آپ کا حال معلوم کرتے مگر آپ مرض کی اذیت کا اظہار تک نہ فرماتے۔ڈاکٹر حکیم لاکھ اصرار کرتے مگر آپ اپنی زبان سے بیماری کی کوئی علامت تک ظاہر نہ فرماتے ،بس ہر ایک کے جواب میں صرف خداوند تعالیٰ کا شکر ادا فرماتے رہے-----اور لطف یہ کہ اپنے تیمارداروں کو آپ خود تسلی دیتے اور اپنی تکلیف کو بہر حال چھپاتے-----اور پھر دلداری کا یہ عالم کہ تیمارداروں کی خاطر ہر قسم کی دوا بھی پی لیتے حالانکہ اس کا فائدہ معلوم-----!

آخرالامر استغراق کے سبب گفتگو تک ترک فرمادی تھی ،اگر خدام عرض کرتے کہ:۔

''حضور کھانا تناول فرمالیں''

تو ناخوش ہوکر جواب دیتے:۔

''ابھی تو کھا چکے ہیں۔''

یا پھر یہ کہ نماز وقت پر ادا فرماچکے ہیں پھر کچھ دیر بعد کئی بار وہی نماز ادا فرماتے ،اگر کوئی کہتا کہ:۔

''سرکار! نماز تو پڑھ چکے ہیں۔''

تو آپ فرماتے کہ:۔

''خیر پھر پڑھ لی تو تمہارا کیا حرج ہوا۔''

(حیاتِ وارث از مرزا منعم بیگ وارثی)

اس طرح ضعیفی کے آزار اور بیماری کی اذیت کے عالم میں آپ نے اپنے روشن عمل سے ثابت کردیا کہ واقعی-----نماز مومن کی آنکھ کی ٹھنڈک ہے-----اب بھلا کون وارثی ہوگا جو سرکار والا کے استغراق کے عالم میں اس عملی ثبوت کے باوجود نماز کی شرعی اور ظاہری ادائیگی سے بے ہوش وحواس انکار کرنے کی جرأت کرے گا؟

آخر ۱۸ محرم کی شب آپہنچی۔سرکار والا کی طبعیت ناساز ہونا شروع ہوئی ، پہلے زکام اور قدرِ حرارت ہوئی۔خادمِ خاص نے پوچھا:-----''سرکار کا مزاج کیسا ہے؟''-----ارشاد فرمایا-----''الحمدللہ ! اچھا ہے!'' ۲۰ محرم تک یہی کیفیت رہی ،شب میں تا دیر ذکرِ شہدائے

کربلا بطورِ خاص فرماتے رہے۔ دن بدن طبیعت ناساز ہونے لگی تو خدام کو فکر لاحق ہوئی۔ آخر ۲۴ محرم کو حکیم محمد یعقوب در بھنگہ سے بلائے گئے۔ سرکارِ والا نے انہیں دیکھ کر فرمایا:۔

''یعقوب اب تو رہو گے۔''

حکیم صاحب نے عرض کی:-----''حضور کی صحت یابی تک حاضر رہوں گا!''

یہ سن کر آپ مسکرا دیئے اور فرمایا:۔

''اچھا! چلو ٹھہرو''

حکیم صاحب نے باہر آ کر بتایا کہ حضور کا یہ جملہ-----اب تو رہو گے-----اور مسکرا دینا-----خالی از علت نہیں، میری تو دل کی حالت دگر گوں ہے۔

اسی دوران نواب عبد الشکور صاحب وارثی نے حکم دیا کہ ایک روپیہ سے لے کر ایک لاکھ روپے تک دوا دارو کے لئے کوئی مانگے تو فوراً دیا جائے۔ نواب صاحب خود بھی اپنے ہاتھوں سے دوائیں کوٹنے پیسنے میں اس طرح مشغول رہتے کہ اپنے کھانے پینے تک کا ہوش نہ تھا۔ دن رات ننگے سر ننگے پیر دوڑ دھوپ میں مشغول تھے، دیگر معتقدین آستانے کی ڈیوڑھی پر غرباء میں اناج بانٹتے-----کپڑے تقسیم کرتے-----کوئی نقد روپیہ خیرات کرتا اور کوئی بکرے ذبح کر کے صدقہ دیتا غرض حسبِ توفیق دن رات یہی سلسلۂ خیرات جاری رہتا۔

۲۶ محرم کو شہر اٹاوے سے حکیم سلطان محمود صاحب آئے-----سرکار والا کی نبض مبارک دیکھی تو حیرت زدہ رہ گئے-----کبھی نبض ایسی سست چلتی کہ وقتِ آخر معلوم ہوتا اور کبھی ایسی قوی چلتی کہ جیسی صحت مند نوجوان کی نبض ہو، حقیقت یہ ہے کہ بارشِ انوارِ الٰہی کے درمیان مشاہدہ حق میں یہ جذباتِ باطنی کی ہمہ ہمی اور روحانی کیفیات کی تغیر پذیری کے اثرات تھے۔

۲۷ محرم کی شب کو بخار بہت تیز ہو گیا، تھرمامیٹر لگایا تو ایک سو چار ڈگری بخار تھا، تھوڑی دیر میں پھر لگایا تو محض ۹۹ ڈگری حرارت رہ گئی، یہ دیکھ کر لوگ حیران رہ گئے-----اور لطف کی بات یہ کہ اس دگر گوں حالت میں لوگ کثرت سے مرید بھی ہو رہے تھے تعلیم و تلقین کا کام بڑھ

گیا تھا----مگر یہ فرضِ محبت بھی بحسن وخوبی ادا ہو رہا تھا----اور اسی کے ساتھ ساتھ شدتِ مرض کی اس بے چینی میں بھی آپ کی انگشتِ شمار بدستور چلا کرتی تھی۔

ع نہیں ہے بندۂ حق کیلئے جہاں میں فراغ

۲۸ محرم کو حالت ایسی نازک صورت اختیار کر گئی کہ منہ سے خفیف سی آواز تک نکلنا دشوار ہو گئی----اسی دوران ایک ضعیفہ بیمار پرسی کو آئی اور تڑپ کر بولی:----"میاں صاحب اب تو اچھے ہو جاؤ"----یہ الفاظ کچھ اس قدر پر درد لہجہ میں اس عفیفہ نے کہے کہ حاضرین پر کیف طاری ہو گیا----چنانچہ اسی وقت سرکار والا نے سر مبارک اٹھایا----محبت سے دیکھا----اور شفقت سے فرمایا:۔

"گھبراؤ نہیں، ہم اچھے ہیں!"

اس طرح آن کی آن میں رندھی ہوئی آواز اس قدر بلند ہوئی کہ ہمت افزا الفاظ دور کھڑے لوگوں نے بھی بخوبی سنے اور وہ ضعیفہ بھی دور سے بلائیں لیتی ہوئی مطمئن واپس ہو گئی----اس لطفِ خاص کے قربان جایئے کہ ایسی نازک حالت میں بھی اپنے غلاموں کو مایوس نہ لوٹایا۔

۲۹ محرم کو خلافِ امید طبیعت بشاش ہو گئی----جب کسی نے مزاج پرسی کی تو برجستہ فرمایا:۔

"ہم تو اچھے ہیں----(خدام کی طرف اشارہ کر کے) یہی لوگ کہتے ہیں کہ بیمار ہو!"

طبیعت کا یہ رنگ دیکھ کر لوگ خوش ہو گئے، ایک دوسرے کو مبارک باد دینے لگے، کوئی نقد خیرات کرتا، کوئی غلہ تقسیم کرنے لگا، کسی نے جانور ذبح کیا، کسی نے خوشی میں میلاد شریف پڑھوایا، کسی نے مساکین کو کھانا کھلایا----چنانچہ اسی پر مسرت دن کی یاد میں پھر ہمیشہ کے لئے----پنڈت دیندار شاہ صاحب وارثی----آستانہ عالیہ پر عمر بھر ہر سال اسی تاریخ کو

میلاد شریف پڑھواتے رہے۔

آج وزیرستان سے نادر خاں نام کا ایک نوجوان آیا اور سرکار میں حاضر ہو کر رونے لگا کہ مجھ سے حضرت نے وعدہ فرمایا تھا کہ-----تین برس کے بعد آنا، تمہیں فقیر بنا کر احرام دیں گے-----یہ سن کر آپ نے آنکھیں کھول دیں----اٹھ کر بیٹھ گئے-----اس وزیری کی طرف کچھ غور کیا-----اور پھر لیٹ گئے-----اور خاں صاحب موصوف سے فرمایا -----"جاؤ، آج نہیں-----کل آنا-----" کیونکہ تین سال کی مدت ختم ہونے میں ابھی ایک دن باقی تھا-----ایسی نازک حالت میں آپ کی ہوشمندی کا یہ عالم تھا! اللہ اکبر!----- بہر حال اس ساری گفتگو سے تکان بے حد بڑھ گئی اور حالت دگرگوں ہو گئی۔

چونکہ اس سے پہلے حکیم عبدالحیؒ صاحب کے علاج سے فائدہ ظاہر ہوا تھا اس لئے انہی کو پھر بلایا گیا-----مگر اب کے حکیم صاحب جیسے ہی حاضر ہوئے سرکار نے انہیں تیز نظر سے دیکھ کر فرمایا:۔

"اب تم چلے جاؤ!"

یہ سنتے ہی حکیم صاحب مست ہو گئے-----حضوری سے اُٹھ کر چلے، پیر کہیں رکھتے تھے اور کہیں پڑتا تھا۔ آنکھیں سرخ سرخ اور بدن چور چور تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ حکیم صاحب خالی نہیں جا رہے ہیں۔ پھر کسی کے روکنے سے حکیم صاحب نہ رکے اسی حالت میں فی الفور تشریف لے گئے۔

۳۰ محرم کو سخت بے چینی رہی، اسی حالت میں ایک بوڑھے نانک شاہی فقیر حاضر خدمت ہوئے، انہیں دیکھتے ہی آپ نے فرمایا:

"تم آ گئے-----بیٹھو-----!"

آخر اسی حالت میں انہیں توبہ استغفار پڑھا کر اپنا مرید کیا، احرام عطا فرما کر رسول شاہ-----کا خطاب دیا اور رخصت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"جاؤ! خدا کی رضا میں راضی رہنا، مرجانا، مگر ہاتھ نہ پھیلانا۔"

اس تمام کارروائی کے بعد جو تکان ہوئی تو غشی طاری ہو گئی آخر کچھ دیر بعد نہایت دھیمی آواز میں پوچھا:۔

''کے بجے ہیں؟''

خادم نے جواب دیا تین بجے ہیں-----اس پر آپ نے یہ معنی خیز الفاظ ادا کئے:

''ابھی بہت دیر ہے-----''

''مشکی گھوڑے کی ٹانگ ٹوٹ گئی!-----''

''بھیلی آ گئی-----''

''چار بجے سوار ہوں گے-----!''

یہ سن کر لوگ سکتے میں آ گئے-----بعض نے اس کا یہ مطلب نکالا کہ:۔

-----مشکی گھوڑا-----دراصل کالی رات ہے-----! جس کی ٹانگ ٹوٹ گئی----- یعنی رات اب ختم ہو رہی ہے!-----بھیلی-----سے مراد-----سفرِ آخرت کی سواری -----وہ آ گئی ہے یعنی دارِ بقا کے لئے روانگی قریب آ گئی اور روانگی کے لئے-----صبح چار بجے کا وقت مقرر ہے۔

غرضیکہ غشی کی حالت طاری تھی۔ مگر کل والے وزیرستانی خاں صاحب حاضر ہوئے تو سرکارِ والا نے معاً آنکھیں کھول دیں، از روئے وعدہ تین سال کی مدت رات ختم ہو چکی تھی اور آج چوتھے سال کا پہلا دن تھا چنانچہ سرکارِ والا نے اسی نازک حالت میں اس وزیرستانی کو احرام عنایت فرمایا اور اپنی زبان مبارک سے فقیر شاہ-----کا خطاب عطا فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ:۔

''محبت کے راستے میں اگر کوئی مصیبت بھی پیش آئے تو اسے ربّ کی عنایت سمجھنا اور اللہ کے ماسوا کسی سے سروکار نہ رکھنا-----جاؤ!''

یہ آخری ہدایت تھی جو دی گئی-----بس اب عالمِ مثال میں اس زبان سے کسی کو تلقینِ محبت نہ ہو گی اور نہ ہی اس دستِ کرم سے کسی کو اب کوئی ''احرام'' عنایت ہو گا اور نہ ہی اس

دہن مبارک سے کسی کو کوئی ''خطاب'' دیا جائے گا۔ چنانچہ یہ آخری الفاظ تھے جو تعلیماً آپ نے کسی کے لئے ادا فرمائے----اسی طرح یہ----آخری بزرگ----تھے جو قدم بوس ہو کر بارگاہِ وارثی سے رخصت ہوئے----اس تمام کارروائی کے بعد آپ پر غشی طاری ہو گئی----نقاہت انتہا کو پہنچ گئی----شام کو تقریباً سات بجے آپ نے آنکھ کھولی اور غلاموں کو شفقت سے دیکھا----انگشت شہادت بلند کی----اور جوش و خروش سے فرمایا:۔

''اللہ ایک ہے۔''

گویا آخر وقت تک آپ نے توحید پرستی کا ثبوت دیا اور صاف صاف اعلان فرما دیا کہ ----خبردار! اللہ کو ہمیشہ----وحدہ لاشریک----سمجھنا اور کبھی کسی کو اس کی ذات میں شریک نہ کرنا۔ رات کو تقریباً دس بجے آپ نے دریافت فرمایا:۔

''کیا بجا ہے؟''

حاضرین نے جواب دیا:۔

''سرکار! دس بجے ہیں!''

اس پر آپ نے فرمایا:۔

''فیضو شاہ تیار ہو جاؤ----چار بجے چلیں گے''----فیضو شاہ نے چیخ ماری:۔

''سرکار مجھے لیتے چلئے----میں تیار ہوں!''

اس کے بعد آپ نے پھر مستقل خاموشی اختیار کر لی----خلافِ معمول آج سانس کی حالت ایسی تھی جیسے کوئی نوعمر لڑکا----لا الہ الا اللہ----کا ذکر بالجہر کر رہا ہو۔

؎ کان کھول اوگھٹ سنو پیا ملن کی لاگ
تن تنبورہ سانس کے تاروں باجے ہر کا راگ (اوگھٹ شاہ وارثی)

اس سے پیشتر عمر بھر ہمیشہ ذکرِ خفی رہا، ہرگز کسی کو کچھ نہ پتہ چلتا تھا لیکن اب منزلِ جاناں قریب دیکھ کر راہِ محبت کے تھکے ہوئے مسافر کے قدم تیز تر ہو گئے تھے!

اسی اثنا میں یہ عجیب کرشمہ نظر آیا----ایک سفید روشنی----صحن سے ہوتی ہوئی دالان میں آئی، معاً سرکارِ والا نے اپنے دونوں ہاتھ کسی نادیدہ ہستی سے مصافحہ کے لئے بڑھا دیئے-----سر مبارک کو اٹھانے کی کوشش کی جیسے کسی مقدس ہستی کے استقبال کو اٹھنا چاہتے ہوں۔

اس کے بعد شب کے دو بجے کے قریب اچانک بخار اتر گیا، ہاتھ پاؤں سرد ہو گئے-----اتنے میں مکان کے صحن میں کھڑے ہوئے درخت پر جگنوؤں کی طرح روشنیاں جگمگ کرتی نظر آئیں۔ حاضرین ششدر رہ گئے، قریب ہی کھڑے ہوئے ایک بزرگ نے فرمایا:۔

''یہ رحمتوں کے نزول کا وقت ہے-----برکتوں کا ورود ہے۔ یہ اسی کی تجلیات ہیں-----یہ دعا کی قبولیت کا وقت خاص ہے-----جو مانگنا ہو مانگ لو-----اور ذکر و اذکار کئے جاؤ۔''

غرضیکہ اسی قسم کی نورانی وارداتیں گزر رہی تھیں اور حکیم محمد یعقوب صاحب سرکارِ اقدس کی نبض دیکھ رہے تھے اور لوگ بے چینی سے دریافت کر رہے تھے-----اب کیا حالت ہے؟-----اس وقت چار بج کر تیرہ منٹ ہو رہے تھے-----ادھر حکیم صاحب نے جواب دیا-----نبض بہت اچھی ہے-----ادھر ایک دم نبض بند ہو گئی-----حکیم صاحب ششدر رہ گئے!-----ہاتھ چھوڑ دیا-----اور رو کر فرمایا-----سرکار کا وصال ہو گیا-----روح پرفتوح نے عالمِ بالا کی طرف پرواز فرمائی-----انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(حیاتِ وارث از مرزا منعم بیگ وارثی)

پس چرا شد آفتاب اندر حجاب

۲۷ اپریل کو صبح وصال کا سورج طلوع ہوا تو اس کا بے نور چہرہ زرد تھا-----لوگ حیران تھے کہ آج سورج گرہن بھی تو نہ تھا-----دوسرا عجوبہ یہ کہ سورج کے درمیان ایک سیاہ پٹی صاف نظر آ رہی تھی-----شاید یہ سیاہ پٹی سورج نے آفتابِ ولایت کے جدائی کے غم میں باندھ لی تھی-----وہ غیرتِ خورشید آج عالمِ بالا کی سیر کر رہا تھا-----اور اس کا جسدِ خاکی

-----احرام میں لپٹا ہو-----آخری دیدار کے لئے رکھا ہوا تھا۔

آخری دیدار کی لذت حاصل کرنے کے لئے لوگ پروانہ وار نیچے اوپر گر پڑ رہے تھے اتنے میں ہوا کا ایک تند و تیز جھونکا سائیں سائیں کرتا ہوا داخل ہوا جس میں آہ و بکا کی غیر مانوس آوازیں گونج رہیں تھیں، اسی دن ہندوستان میں جگہ جگہ زلزلہ بھی آیا۔

(حیاتِ وارث از مرزا منعم بیگ وارثی)

وصال کے بعد رخِ روشن کی چمک دمک دوبالا ہو گئی تھی، چہرے پر چار چاند لگ گئے تھے، چوراسی سال کی عمر میں ضعیفی کی شکنیں معدوم ہو کر جسم تندرست و توانا ہو گیا تھا۔

شب وصال کے بعد آئینہ دیکھ اے دوست
ترے جمال کی دوشیزگی نکھر آئی

پھول جیسے جسم سے قدرتی خوشبو مہک رہی تھی جو اس قدر تیز تھی کہ جس کا ہاتھ یا کپڑا مس ہو گیا، اسی خوشبو میں بس کر رہ گیا-----انوار و تجلیات کا تو ذکر ہی کیا! گویا ایک نورانی چادر نے سارے ماحول کو ڈھانک رکھا تھا، سینکڑوں حفاظ قرآن خوانی میں مشغول تھے۔ دوپہر تک چالیس پچاس ہزار لوگوں کا ہجوم ہو گیا اور پھر دور و نزدیک کے ملحقہ مکانات عورتوں اور مردوں سے بھر گئے، کل سڑکیں، سب راستے آدمیوں سے پٹے پڑے تھے، بستی سے باہر تک میدان میں میلا سا لگا ہوا تھا، حتیٰ کہ مجمع اس قدر بڑھ گیا کہ جنبش کرنے کی گنجائش باقی نہ رہی، جو شخص جس جگہ تھا وہیں پھنس کر رہ گیا، انتہا یہ کہ آدمیوں کی بھیڑ کی وجہ سے آستانے کے اکدرے میں اندھیرا ہو گیا، دن کے وقت متعدد شمعدان اور لالٹینیں روشن کرنا پڑیں۔ اس کے ساتھ اب یہ خطرہ بھی پیدا ہو گیا کہ اگر جنازہ شریف باہر نکالا گیا تو ہزار ہا مشاقانِ دید زخمی ہو جائیں گے۔ اس الجھن کو سلجھانے میں درگاہ کی انتظامیہ لاچار اور علاقہ کی پولیس مجبور نظر آ رہی تھی، نظامِ عالم درہم برہم ہو چکا تھا، ایسی صورت میں صف بندی کا انتظام کون کرتا اور کعبہ کی سمت کا تعین کیسے ہوتا-----اسی عالم میں جو آدمی جس رخ کھڑا تھا وہیں-----**اقتدایت بہذا الامام** کہہ کر نیت باندھ لی۔

ے تھا چاروں طرف اسی کا جلوہ
کیوں لاش ہماری قبلہ رو کی

جنازہ بیچ میں اور ہر طرف نمازیوں کا حلقہ!----گویا----قطبیت کی شان اور کعبہ کی عظمت آنکھوں سے دکھا دی----کیونکہ نہ "قطب" اپنی جگہ سے ہلتا ہے اور نہ ہی کعبہ اپنا مقام چھوڑتا ہے۔

ع دیوے کو تم نے قبلۂ دیں کعبہ بنا دیا

دیواروں، کوٹھوں اور درختوں پر بھی نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔

(حیاتِ وارث از مرزا منعم بیگ وارثی)

ے ملتِ عشق از ہمہ جد است
عاشقاں را مذہب و ملت جدا است

ہر چہار طرف سے آنے والے مریدوں کا سلسلہ ختم ہونے میں نہ آتا تھا چنانچہ باقیماندہ اشخاص نے مختلف مقامات پر سترہ بار نمازِ جنازہ ادا کی، مجمع کی کثرت کے سبب جنازہ اٹھانے کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا اور پھر آپ کا ارشاد بھی تھا کہ:۔

''فقیر کا جس جگہ انتقال ہو وہیں دفن کر دیں۔'' (منہاج العشقیہ از شیدا وارثی)

چنانچہ بعد نمازِ جمعہ فرشِ خاک سے محبت کرنے والا، ابوتراب کا لاڈلا اسی جگہ مدفون ہو کر پردۂ خاک کے پیچھے رونق افروز ہوا۔ (حیاتِ وارث از شیدا وارثی)

ے بے محابا ہو اگر حسن تو وہ بات کہاں
چھپ کے جس شان سے ہوتا ہے نمایاں کوئی

دفن کے بعد یہی صورت رہی کہ ایک پر ایک مٹی دینے کو گرا پڑتا تھا، غرض کہ وقتِ عصر تک مٹی دینے کا سلسلہ جاری رہا۔ ہر چہار طرف سے آدمیوں کے گروہ پر گروہ چلے آتے تھے، بہت سے ایسے عاشقِ زار آئے کہ قبر شریف کو دیکھ کر بے ہوش ہو کر گر پڑے اور بہت سے عشاق قبر

شریف سے لپٹ لپٹ کر زار و قطار روتے تھے۔

دوسری طرف سینکڑوں حفاظ علی الصبح وصل ہی کے وقت سے تلاوت قرآن میں مشغول تھے۔اسی کے ساتھ ساتھ آس پاس کے علاقوں میں دور دور تک حفاظ اور قرآن خواں حضرات کو فاتحہ سوئم کی اطلاع بھی پہنچا دی گئی تھی چنانچہ شام ہی سے مزید ہزارہا حفاظ کا ہجوم ہونے لگا، سینکڑوں شمع دان جابجا روشن کر دیئے گئے، رات ہی سے قرآن خوانی کا نیا دور بھی شروع ہو گیا، صبح ہوتے ہوتے ایک ہزار کلامِ مجید پڑھائے گئے۔دوسرے دن نو بجے صبح ''قل'' شروع ہوا، پندرہ بیس ہزار جاں نثاروں کا کثیر مجمع تھا، ہزاروں مریدوں نے شیرینی اور شربت پیش کیا، محفل میں شربت کے سینکڑوں گھڑوں اور منوں مٹھائی کا ڈھیر لگ گیا، قل پڑھنے کے فوراً بعد جب سلامِ عاشقانہ پیش کیا گیا تو محفل میں کہرام مچ گیا، سلام میں وہ سوز و گداز تھا کہ جسے سن سن کر عاشقوں کے کلیجے سینے سے باہر نکلے پڑتے تھے۔ (حیاتِ وارث از مرزا منعم بیگ وارثی)

سلام عاشقانہ

سلام اے بلبلِ گلزارِ وحدت — سلام اے قمریٔ سروِ حقیقت
سلام اے شمعِ بزمِ مصطفائی — سلام اے نورِ چشمِ مرتضائی
شبیہِ مرتضیٰ شانِ پیمبرؐ — امیرِ لشکرِ میدانِ محشر
سلام اے روحِ زہراؓ جانِ حسنین — سلام اے زینتِ گلزارِ کونین
بہارِ گلشنِ کونین تسلیم — چراغِ خانۂ سبطین تسلیم
سلام اے گنجِ اسرارِ معانی — سلام اے شرحِ ''رمز من رآنی''
سلام اے والی و وارث ہمارے — علیؑ کے لال زہراؓ کے دلارے
سلام اے خسروِ اقلیمِ عرفاں — شہِ وارث علی محبوبِ سبحاں
سلام اے شیخِ عالم غوثِ دوراں — عطا پاش و خطا پوش مریداں
سلام اے کشتیٔ دل کے نگہباں — سلام اے بے سر و ساماں کے ساماں

تمہارے روضۂ انور کو مجرے — درِ اقدس کو صبح و شام سجدے

مری آنکھیں تصدق جالیوں پر — نثارِ گنبدِ اطہر مرا سر

کلس پر روضہ کے قربان جاؤں — میں مہر و ماہ کو صدقہ چڑھاؤں

میں اس ارضِ مقدس پر ہوں قرباں — کہ آسودہ ہے تو جس میں مری جاں

دلِ مہجور لائے تاب کب تک — یہ آخر نیند کب تک؟ خواب کب تک؟

میں صدقے میٹھی نیند سونے والے — ذرا رخسار سے چادر ہٹا لے

اُٹھ اے سروِ خراماں جانِ بیدم
بہارِ گلشنِ ایمانِ بیدم

اس محفلِ قل کے بعد بھی روزانہ شب و روز مزارِ اقدس پر سینکڑوں قل اور میلاد شریف ہوا کئے، جو بھی خادم یا معتقد آتا وہ حسبِ توفیق قرآن خوانی یا میلاد شریف کرا کے قل کراتا تھا۔ ایسی مجلسوں میں حضرت منعم بیگ وارثی کا یہ سلام پڑھا جاتا تو کلیجہ منہ کو آتا اور سرکار کی حیاتِ طیبہ کا پورا نقشہ آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتا تھا:

ھدیۂ سلام

السلام اے وارثِ عالیجناب — جان، جانِ مصطفیٰ و بو تراب

السلام اے فاطمہؓ کے نورِ عین — خاص تصویرِ حسنؓ، شانِ حسینؓ

السلام اے واقفِ سرِ جلی — حاجی و حافظ شہِ وارث علی

در پہ حاضر ہیں تمہارے یہ غلام — کیجئے مقبول بندوں کا سلام

دیر سے دیتے ہیں ڈیوڑھی پر صدا — رخ دکھا دیجئے ہمیں بہرِ خدا

ڈھونڈتی ہے آنکھ وہ دورِ زماں — تھے نہ جب عشاق سے تم یوں نہاں

تھا ہر اک پر آپ کا لطف و کرم — دین و دنیا میں نہ تھا کچھ بھی الم

یاد ہے ہم کو وہ شفقت آپ کی — وہ عنایت وہ محبت آپ کی

ترچھی نظریں ، وہ نگاہِ جانفزا
یاد ہے ہم کو تمہاری ہر اک ادا

لب لگا کر انگلیوں کو بار بار
پھیرنا آنکھوں پہ تھا اکثر شعار

مسکرا کر منہ پہ رکھنا ہاتھ کا
نیچی نظروں سے وہ کرنا بات کا

گوشۂ تہبند منہ پر ڈال کر
بات کرنا دوسروں پر ڈھال کر

آ گیا جب کوئی دلگیر آپ کا
اٹھ کے ہونا خود بغل گیر آپ کا

پاس اپنے اس کو بٹھلانا ترا
فرطِ الفت سے وہ لپٹانا ترا

مارنا وہ گھونسہ زانو پر کبھی
چٹکیاں لینا وہ زانو پر کبھی

پھر یہ کہنا تم تو ٹھہرو گے ابھی
جاؤ بیٹھو پھر ملاقات ہوئے گی

تھا عجب حسنِ عمل اشفاق کا
لوٹ جاتا کیوں نہ دل عشاق کا

کوئی کس کس بات پر ہووے فدا
تھیں ادائیں آپ کی سب دلربا

سر سے چادر کا وہ گھونگٹ مار کر
پیچ اک اس کا گلے میں ڈال کر

پھر کھڑے ہوتے تھے جب بہر نماز
کیا کہوں اس وقت کا انداز و ناز

ہوتی تھی وہ بھی نرالی اک ادا
اللہ اللہ کیا تھی شانِ حق نما

ہائے کیا وہ وقت تھا کیا دور تھا
سچ تو یہ ہے رنگ ہی کچھ اور تھا

گرچہ یہ دنیا ہے بے شک لا بقا
پر نہیں ہے ذات کو تیری فنا

حق کا ہے ارشاد یہ قرآن میں
لا یموت ، اولیاء کی شان میں

اے مرے وارث ، میرے آقائے کل
فخرِ دوراں ، ہادی راہِ سبل

کوئی صدمے ، ہجر کے کب تک سہے
کب تک آخر ضبط ، کب تک چپ رہے

حال اپنا کیا کہیں تم سے حضور
ہیں سراپا پر گناہ و پر قصور

توشۂ عقبیٰ نہیں کچھ ساتھ ہے
اب ہماری لاج تیرے ہاتھ ہے

ہے بھروسہ دستگیری کا تری
دوجہاں میں آبرو رکھیو مری

یہ تو ہے پورا ہمیں بے شک یقیں آتے ہو تم خود بوقتِ واپسیں
قبر سے لے کر کے تا روزِ نشور یاد رکھیو ہم غلاموں کو حضور
آسرا سب کا ہے تم پر اے شہا
ہو وہ سلطان یا کہ منعم یا گدا

گاگر شریف

گاگریں آئیں مرے سلطان کی قبلۂ دیں کعبۂ ایمان کی
غوث و ابدالِ زمانہ ساتھ ہیں گاگر آئی قطبِ ہندوستان کی
غوث عالم خواجۂ وارث علی تم پہ رحمت ایزدِ سبحان کی
اے حسین ابنِ علی کے لاڈلے لے خبر مجھ بے سر وسامانی کی
بیدمؔ ان پر سو دفعہ قربان ہو
ان کے آگے کیا حقیقت جان کی (بیدم شاہ وارثی)

خبرِ وصالِ پاک

سیدنا وارث پاک کے وصال کی خبر دیتے ہوئے اخبار ---- ''البشیر'' میں اسلامیہ ہائی سکول اٹاوہ کے بانی اور آزاد خیال صحافی خان بہادر مولوی محمد بشیر الدین نے لکھا ہے کہ:۔

''حاجی صاحب کی ذاتِ بابرکات اس امر کا بدیہی ثبوت تھی کہ بادشاہوں کے ذریعہ سے ---- نہ علماء کے وعظ و پند سے اس قدر اشاعتِ اسلام ہوئی جتنی صوفیائے کرام کی بدولت ہوئی ----!'' (البشیر، اٹاوہ، مطبوعہ ۲۸ اپریل ۱۹۰۵ء)

ملہار بروگ

سکھی بن سینا سونوں
گھر باہر ہنڈولوا

ساون آئے پیا گھر ناہیں منہ کو آوے کریجوا
دیکھ دیکھ ہنڈولوا کی لہریں جیارا لیت ہلوروا
سکھی بن سینا سونوں

بدرا کی گرج بجریا کی چم چم سہمے دیکھ کے جیروا
دادر مور ، کویلیا گھرے پپیہا کرت کلیلوا
سکھی بن سینا سونوں

چھائے سوہاگ کی سوبھا پد سوا کہ کے رچاؤں مہندوا
کاپر کروں سنگھار میں بیدم کاپر ڈاروں پھلیلوا
سکھی بن سینا سونوں
گھر باہر ہنڈولوا

اختتامیہ

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ھم یحزنونO

(ترجمہ: بے شک اولیاء اللہ کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ کوئی ملال!)

حتیٰ کہ اولیاء اللہ کو موت کا بھی خوف و خطرہ نہیں ---- بھلا موت ان عاشقانِ الٰہی، کا کیا بگاڑ سکتی ہے۔

موت کیا آ کے فقیروں سے تجھے کیا لینا ہے
مرنے سے پہلے ہی یہ لوگ تو مر جاتے ہیں (دردؔ)

کیونکہ اولیاء اللہ ----**موتوا قبل ان تموتوا** (ترجمہ: مرجاؤ موت سے پہلے) کے مطابق جیتے جی مرجاتے ہیں، اس لئے وہ بجا طور پر ----**ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون O**

(ترجمہ: جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں انہیں مردہ مت کہو بلکہ وہ تو زندہ ہیں مگر تمہیں ان کی زندگی کی عظمت کا شعور نہیں) ----- اس آیہ شریف کے مطابق اللہ کی راہ میں خنجر تسلیم و رضا سے قتل ہوکر زندۂ جاوید ہو جاتے ہیں محبوبِ حقیقی کی ہر ادا پر مرمٹنے والے عاشقانِ الٰہی اسی لئے -----شہید ناز----- کہلاتے ہیں۔

کشتگان خنجر تسلیم را

ہر زماں از غیب جان دیگر است

(ترجمہ: محبوبِ حقیقی کے حضور تسلیم و رضا کے خنجر سے قتل ہونے والے عاشقوں کو ہر لمحہ غیب سے نئی زندگی عطا ہوتی ہے!)

چنانچہ آفتابِ ولایت سید نا حاجی وارث علی شاہؒ نے راہِ عشق میں مرجانے، مٹ جانے کے سبب-----حیات جاوید-----پائی ہے۔ وہ زندگی کی-----بہارِ بے خزاں----- بن کر زمانہ پر چھا گئے-----اس طرح زمان و مکاں کی قیود سے آزاد ہوکر جہاں چاہتے ہیں اور جس طرح چاہتے ہیں بحکم الٰہی تصرف فرماتے ہیں-----یہ ثمرہ ہے راہِ خدا میں ان کی والہانہ قربانی اور مخلصانہ ایثار کا----! یہ انعام ہے ان کی خوئے تسلیم و رضا کا جذبۂ عشق و وفا کا----!

عاشقِ صادق ہونے کے سبب آپ کا ہر سانس-----ذکرِ الٰہی-----سے مشکبار تھا اور آپ کا ہر ہر لمحہ-----یادِ الٰہی----- سے گلنار تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ-----عشقِ الٰہی -----آپ کی زندگی اور-----"وصلِ الٰہی" آپ کی زندگی کا مقصدِ وحید تھا!-----آخر الامر اپنا مقصد زندگی پا کر آپ-----واصل حق-----ہو گئے-----اس طرح اگرچہ ظاہری شکل و صورت ہماری مادی آنکھوں سے روپوش ہوگئی کیونکہ آپ حجابِ عظمت میں چلے گئے

ہیں----مگر اس سے یہ ہرگز ہرگز نہ سمجھ لینا چاہئے کہ حضرتِ والا کی ذاتِ پاک واقعی ہم سے دور و مستور ہوگئی ہے۔

نہ سمجھو ہم کو محرومِ نظارہ وہ حسن اب بھی نگاہوں کے قریں ہے
یہ دیکھو صبح ہے کتنی منور یہ دیکھو چاندنی کتنی حسین ہے

حقیقت یہ ہے کہ قیودِ عالم کے اس مادی جال کو توڑ کر آپ اس نقطۂ سرمدی سے مل گئے ہیں جو کل کا مقصدِ حقیقی ہے۔

تھے نورِ خدا، میں ہوئے شامل کیا مرتبۂ قرب ہوا آپ کو حاصل
کیا راہ تھی، ہوتے ہی رواں، آگئی منزل نقطے کی طرح دائرے میں ہو گئے داخل
ممکن نہیں اب موج جدا ہو لبِ جو سے کیا رنگ ملا رنگ میں، بول گئی بو سے

(حضرت امیر مینائی)

حق یہ ہے کہ جہاں حق ہے وہاں آپ ہیں کیونکہ آپ کا درجہ فانی فی اللہ تھا، آپ کا مقام----باقی باللہ ہے----! اس طرح آپ حق تعالیٰ کے ساتھ زندہ و تابندہ ہیں، عشقِ حقیقی کے انوار سے اگر نفس کی مادی کثافت دور کی جائے تو----روحانی بصارت----سے اب بھی ہر جگہ جلوۂ وارث نظر آئے۔

ہیں زیرِ مزار، خوابِ راحت میں حضور
اب بھی ہے مگر فیض سے عالم معمور
یہ سرِ خفی ہے عین اعلانِ ظہور
فانوس میں شمع، ساری محفل میں نور

(حضرت امیر مینائی)

لوگوں کو ہے خورشیدِ جہاں تاب کا دھوکا
ہر روز دکھاتا ہوں میں اِک داغِ نہاں اور

آفتابِ ولایت

حصہ دوم

مؤلف

پروفیسر فیاض کاوشؔ وارثی

سلام بحضور

آفتابِ ولایت

سرکارِ وارثِ پاک

از

سید معروف شاہ وارثی

رئیس دیوا شریف

السلام اے مونس و غمخوارِ ما ‏ ‏ السلام اے دلبر و دلدارِ ما

السلام اے جانِ ما ، جانانِ ما ‏ ‏ السلام اے دینِ ما ، ایمانِ ما

السلام اے وجہِ تسکیں ، روئے تو ‏ ‏ السلام اے روحِ جانم ، بوئے تو

السلام اے منزلِ ما ، کوئے تو ‏ ‏ می کشد آں خنجرِ ابروئے تو

السلام اے ابرِ رحمت السلام ‏ ‏ السلام اے بحرِ شفقت السلام

السلام اے قوتِ ادراکِ ما ‏ ‏ السلام اے مرہم و تریاکِ ما

السلام اے دردِ تو مارا دوا ‏ ‏ خاکِ پایت بہرِ ما خاکِ شفا

السلام اے ماہِ تاباں السلام ‏ ‏ السلام اے شاہِ خوباں السلام

السلام اے وارثِ عالم پناہ ‏ ‏ السلام اے بے کساں را تکیہ گاہ

السلام اے چارۂ بے چارگاں ‏ ‏ السلام اے مرہمِ دل خستگاں

ما کجا و تو کجا ، ذکرت کجا ‏ ‏ اللہ اللہ نسبتِ شاہ گدا

بادشاہا آبروئے ما توئی ‏ ‏ جانِ ما ہم گفتگوئے ما توئی

وارثا ! بنما جمالِ خویشتن ‏ ‏ رحم کن بر ما بحقِ پنجتنؑ

قصۂ معروفؔ غمگیں اے صبا ‏ ‏ وارسان در حضرتِ سلطانؒ ما

کن فنا در ذاتِ خود مارا تمام

ختم شد ایں قصہ اکنوں والسلام

(سید معروف شاہ وارثی)

سلسلہ وارثیہ کی ترویج و ترقی

خاندانِ وارثیہ کے سلسلے میں یہ مسئلہ زیرِ بحث رہا ہے کہ جب صاحب سلسلہ حاجی وارث علی شاہؒ نے کسی کو اپنا خلیفہ و جانشین بنایا ہی نہیں تو پھر یہ سلسلۂ عالیہ آئندہ کس طرح جاری و ساری رہے گا؟ اور آنے والی نسلوں کو سلسلۂ وارثیہ میں منسلک کرنے کے لئے کیا طریقۂ کار ہوگا؟

اس موقع پر بدگمانی بھی پیدا ہوسکتی ہے کہ سلسلۂ وارثیہ کیا سرکار وارث پاک کی ذات ہی پر ختم ہوگیا؟ ----- اور آئندہ کے لئے کیا اس سلسلے کو جاری رکھنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی؟ ----- نہیں ایسا ہرگز نہیں، ان بے بنیاد شبہات کو دور کرنے کے لئے صرف اتنی بات سمجھ لینا کافی ہے کہ عشقِ حقیقی کے انداز نرالے ہیں چنانچہ یہاں شمع کی ذات ہی پروانوں کا مرکزِ حیات رہی اور معشوق کی ذات ہی تمام عاشقوں کی منزل مراد ٹھہری ----- البتہ اس راہِ ہدایت پر لگانے والے آپ کے احرام پوش فقراء ہیں جو آپ کی زندگی میں بھی آپ کے نام پر بیعت لینے کے مجاز تھے اور دور دور جا بجا سرکار کی طرف سے سلسلۂ رُشد و ہدایت پھیلا رہے تھے اور اس طرح لوگوں کو سرکار وارث پاک کا مرید بنا رہے تھے ----- چنانچہ جس طرح طالبین پہلے فیض یاب ہو رہے تھے، اب بھی برابر فیض یاب ہو رہے ہیں۔ اسی طرح قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

(تعارف از بیدمؔ شاہ وارثی)

چنانچہ سرکار وارثِ پاک کی زندگی میں ایسے احرام پوش فقراء کے دست گرفتہ مرید جب سرکار میں پیش ہوتے تو سرکارِ والا اپنے ان مریدوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے اور برملا ان کی بیعت کی توثیق کرتے ہوئے سب کے سامنے تصدیق فرماتے تھے کہ:۔

"سنو سنو! تم ہمارے مرید ہوئے، یہ ہاتھ اور وہ ہاتھ ایک ہے -----!"

اس سے ظاہر ہوا کہ اگرچہ زمانہ کی رسم و رواج کے مطابق اس البیلی سرکار نے ظاہر خلافت کو اپنے مخصوص مسلک و مذاق کی بناء پر اپنے سلسلے میں پسند نہیں فرمایا، مگر خلافت کی نعمتوں اور برکتوں سے اپنے احرام پوش فقیروں کو محروم نہ رکھا نیز احرام پوش فقراء کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار

دے کر دنیا میں بھی ان کی عزت بڑھائی، مزید اپنی دلی محبت کا اس طرح اظہار فرمایا:۔

''جس نے ہمارے فقیر کو خوش رکھا، اس نے ہم کو خوش رکھا اور جس نے ہمارے فقیر کو رنج دیا اس نے بلا شک ہم کو رنج دیا-----!''

اور ایسا کیوں نہ ہو کہ احرام پوش فقراء یار کے لباس میں ملبوس، تصویرِ وارث ہیں، وارث کی سیرت و کردار کا آئینہ اور وارث کے اداو ناز کا مرقع ہیں تو پھر کیوں نہ ہر وارثی کے لئے قابلِ تقلید اور لائقِ صد احترام ہوں۔

ع تجھ کو چاہوں میں ترے چاہنے والے کو چاہوں!

احرام پوش فقیر کا احترام

احرام پوش فقراء کا احترام ہر وارثی پر لازم ہے کیونکہ وہ سرکار وارثِ پاک کے چہیتے اور نوازے ہوئے ہیں، اسی لئے ان کا ادب بہر حال ملحوظ خاطر رکھنا ہے اور ان کی ضروریات کا بہر طور پاس کرنا ہے۔ یہ وہ فقیر ہیں جو لباس دنیاوی کو چھوڑ کر محض احرام شریف میں اپنا تن چھپاتے ہیں، کثرتِ استعمال سے بوسیدہ یا میلا ہو گیا ہو تو جو وارثی دیکھے، لازم ہے کہ اسے تبدیل کرا کے حسبِ توفیق نیا احرام بدلوائے کیونکہ وہ خود اپنے منہ سے احرام کبھی نہ مانگیں گے۔

یہ وہ عاشقانِ باوفا ہیں جو ترکِ لذات کر کے محض فقر و فاقہ کو اپنا توشہ بناتے ہیں مگر غلامانِ وارث کا بہر حال یہ فرض ہے کہ جب ان فقراء کو دیکھیں تو انہیں راضی کر کے حسبِ استطاعت کھانا کھلائیں کیونکہ وہ بھوکے مر جائیں گے مگر خود کبھی کھانا نہ طلب کریں گے۔

یہی وہ فقراء وارث ہیں جو خواہش دنیا چھور کر یار سے لو لگا لیتے ہیں، ہر چند کہ وہ دولت و حشمت سے بے نیاز ہوتے ہیں پھر بھی وارثیوں کو لازم ہے کہ ان کی چھوٹی موٹی انسانی ضروریات کا خیال رکھیں اور اس کے لئے انہیں پوشیدہ طور پر نذر پیش کرتے رہیں کیونکہ خود سوال کرنا ان کے مشرب میں حرام ہے۔

اس طرح جس نے ان وارثی فقراء کو خوش رکھا تو بالیقین اس نے سرکار وارثِ پاک کی

خوشنودی حاصل کی اور جس نے سرکار وارث پاک کی خوشنودی حاصل کی اس نے اللہ تعالیٰ کو راضی کیا۔

ے وہ تو وہ ہے تمہیں ہو جائے محبت مجھ سے
اک نظر تم میرا محبوبِ نظر تو دیکھو!

سلام (مخمس)

سلامٌ علیٰ آلِ یٰس و طٰہٰ ریاضِ محمدؐ ، بہارِ خدیجہؓ
عجب ہے تری شان اللہ اللہ شہیدانِ الفت رہے مر کے زندہ
تری تیغ نکلی مسیحائے عالم

سلامٌ علیک اے فروغِ سیادت نبوت کے وارث ، امامِ ولایت
فضا تجھ پہ حسنِ صباحت ملاحت زہے خنجرِ ناز و دستِ نزاکت
کیا گرم خونِ تمنائے عالم

(حضرت افقر موہانی وارثی)

ولادتِ ثانیہ

جب کوئی مریدِ صادق، خلوص نیت سے مرشدِ کامل کے حلقۂ بیعت میں داخل ہوتا ہے تو مرید کے اس دورِ جدید کو طریقت میں ----ولادتِ ثانیہ---- کہتے ہیں اور:

''ولادتِ ثانیہ----پیر کامل کی محبت سے نصیب ہوتی ہے۔''

(عوارف المعارف از شیخ شہاب الدین سہروردیؒ)

لیکن 'پیر کی محبت' 'دنیا کی محبت' کے منافی ہے چنانچہ:

''روح جب دنیا کی محبت سے آزاد ہوجاتی ہے، اس وقت حقیقی اولاد----کی ولادت ہوتی ہے!'' (قول سید علی محمد وفا رحمۃ اللہ علیہ، طبقاتِ کبریٰ)

اس کے بعد جس طرح .....'جسمانی باپ'......اپنی اولاد کا نام رکھتا ہے اسی طرح ضروری ہے کہ----'روحانی باپ'----اپنی----حقیقی اولاد----کا کوئی نام تجویز کرے۔ چنانچہ سرکار وارثِ پاک جب کسی کو لباسِ فقر عطا فرماتے اور اس کی روحانی ترقی کا دور شروع ہوتا تو سرکار اس کا آبائی نام بدل کر اپنی جانب سے کوئی خاص خطاب عطا فرماتے جسے حقیقی نام سمجھنا چاہئے کیونکہ:

'' 'مجازی باپ' سے 'روحانی باپ' کا اختیار زیادہ ہوتا ہے کیونکہ تم محض جسم تو نہیں بلکہ جسم میں جو روح ہے وہ تم ہو۔'' (طبقاتِ کبریٰ از علامہ شعرانی)

چنانچہ وارث پاک نے اپنے کسی مرید کو روحانیت میں جب تیز رو دیکھا تو اسے فقیر بنا کر احرام عنایت کیا اور ساتھ ہی کوئی نیا خطاب بھی مرحمت فرمایا۔

نام کی تبدیلی

طالبِ راہِ فقر کا نام تبدیل کرنا اصولِ طریقت میں داخل ہے بلکہ اس پر تو علماءِ شریعت کا بھی اتفاق ہے کہ خود رسول مقبول ﷺ نے اپنے اکثر احباب کو حسبِ حال خطابات عطا فرماتے اور

پھر وہ خطابات ایسے مشہور ہوئے کہ پہلے نام ہی کو لوگ بھول گئے جیسے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کو بلیوں سے محبت تھی، بلی کو عربی میں ------ ہرۃ ------ کہتے ہیں چنانچہ آپ کا یہ خطاب اس قدر مشہور ہوا کہ پہلے نام ہی کو محو کر دیا۔

اسی طرح ------ ذر ------ عربی میں چیونٹی کو کہتے ہیں چنانچہ حضرت ابوذر غفاریؓ کا یہ خطاب ایسا مشہور ہوا کہ ان کا پہلا نام کوئی پکارتا ہی نہیں۔

تیرہ سو برس بعد سرکار وارثِ پاک نے اپنے جدِ نامدار کی اس قدیم سنت پر عمل کرتے ہوئے اپنے فقراء کو ان کے احوال کے مطابق نئے خطاب دے کر ان کے پہلے ناموں کو غیر معروف بنا دیا جیسے ------ بیدم شاہ، ذاکر اللہ شاہ، اوگھٹ شاہ، رومی شاہ، ولایتی شاہ، پنڈت دیندار شاہ ------ اور اس قسم کے سینکڑوں دوسرے خطابات جو احرام پوش فقرا کو عطا ہوئے اور پھر وہ اس خطاب سے ایسے مشہور ہوئے کہ اب انکا اصلی نام کوئی جانتا ہی نہیں۔

یاوارثؒ

مئے عرفاں کا تم ہم کو پلادو جام یا وارثؒ
زباں پر بے خودی میں ہو تمہارا نام یا وارثؒ

مرے مشکل کشا مشکل کشائی کیجئے میری
پریشاں کر رہے ہیں درد و غم، آلام یا وارثؒ

نہ عابد ہوں، نہ زاہد ہوں، نہ صوفی ہوں، نہ عالم ہوں
تمہارا ہوں میں اک رندِ مئے آشام یا وارثؒ

مرا دل اور جگر میرا، مری جاں اور سر میرا
میں سمجھوں کام کا، آئیں جو تیرے کام یاوارثؒ

دمِ آخر سرِ بالین اصغرؔ تو جو آ جائے
ترے دیدار سے ہو گا بخیر انجام یا وارثؒ

سلسلۂ وارثیہ میں تجرّد کی اہمیت

سرکار وارث پاک نے اپنے عام مریدوں کو تو شادی کرنے سے نہیں روکا مگر اپنے خاص احرام پوش فقراء کو عورتوں سے باز رکھا اور تجرید کی متواتر تاکید فرمائی ہے حتیٰ کہ اپنے خرقۂ طریقت میں لنگوٹ شامل فرمادیا جو تجرد کی خاص علامت ہے اور خود اپنی مثال پیش کردی کہ:

''ہم لنگوٹ بند ہیں۔''

چنانچہ الذی لا اھل لہ ولا ولد -----کے مطابق آپ خود ساری عمر مجرد رہے اور سختی سے ہدایت فرماتے رہے کہ:

''فقیر کو چاہیے کہ اکنگ رہے۔''

کیونکہ بقول حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ:

''جس طرح اہلِ انتظام کے لئے شادی کرنا لازم ہے اسی طرح صاحب ریاضت کی دلجمعی کے لیے تجرید (غیر شادی شدہ رہنا) لازم ہے-----!'' حتیٰ کہ عاشقِ رسول ﷺ حضرت اویس قرنیؓ ساری عمر مجرد رہے اور فرماتے تھے:

''سلامتی تنہا (مجرد) میں رہنے میں ہے!''

رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی وہ مقدس جماعت جس کو-----سابق الایمان-----ہونے کا شرف حاصل ہے، ان میں سے بعض افراد مجرد تھے لیکن دوسرے شادی شدہ صحابی ان مجردین کا خاص احترام فرماتے تھے، اس سے بڑھ کر یہ کہ خود سرور کائنات ﷺ نے ان کا مجرد رہنا قبول فرمایا-----حتیٰ کہ-----''اصحابِ صفہ'' جن کی تعریف و توصیف قرآن و حدیث میں آئی ہے، یہ سب کے سب مردانِ خدا بھی ساری عمر مجرد ہی رہے اور حضور پاک ﷺ بھی انہیں خاص عنایات سے نوازتے رہے۔

ان تمام حقائق سے ثابت ہوا کہ تجرد 'منافی اسلام' نہیں بلکہ 'افتخارِ صحابہ' ہے-----صرف یہی نہیں بلکہ انبیاء علیہ السلام کی سنت بھی ہے چنانچہ حضرت عیسیٰؑ ساری عمر مجرد رہے

اور حضرت یحیٰؑ کے تجرد حصور کی تو خود اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں تعریف فرمائی ہے:

ان اللہ یبشرک بیحیٰ مصدقا بکلمۃ من اللہ و سیدا و حصورا و نبیا من الصالحین (ال عمران)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ خوش خبری دیتا ہے تم کو یحیٰ کی جو کہ اللہ تعالیٰ کے ''کلمہ'' کی خوش خبری دیتا ہے----سردار----حصور----نبی اور صالحین میں سے ہیں۔''

یہاں تیسری صفت----حصور----کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول نبی کی صفات میں شمار کیا----مفسرین کے نزدیک----حصور کے معنٰی ہیں وہ پرہیز گار جو باوجود قدرت اور خواہش کے اپنے نفس کو عورتوں سے روکے رکھے----یہ واقعی کمال ہے جس کی خود ربِ تعالیٰ نے تعریف فرمائی ہے حتیٰ کہ----حصور کو----حضرتِ یحیٰؑ کی شاندار خوبیوں میں شمار فرمایا، اس طرح تجرید مستحسن ومحمود ہوئی----اب رہا رسول اکرم ﷺ کا یہ فرمان کہ:۔

''لا رھبانیۃ فی الاسلام''

تو اس کی تشریح کرتے ہوئے حضرتِ مولانا رومؒ ہدایت فرماتے ہیں۔

ع ہیں مکن خود را خصی رہباں مشو

کیونکہ:----''پہلے زاہدانِ نصاریٰ بغرضِ معاہدہ' تجرد' اختیار کرتے تھے مگر بعد کے رہبانِ رسمی کو جب ضعفِ تقویٰ و قوعِ گناہ کا خطرہ لاحق ہوا تو آلۂ مردانگی قطع کرنے لگے----!''

(شرح بحرالعلوم از مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی)

چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اسی رہبانیت کو اسلام میں حرام قرار دیا ہے----ورنہ خدا طلبی میں ضبطِ خواہشات کے لئے----تجرید----قابلِ تعریف ہے اسی لئے----تجرید وتفرید----اکثر صوفیائے کرام کا طرۂ امتیاز رہی ہے چنانچہ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰہیؒ خود خلعتِ تجرد سے سرفراز تھے، جب آپ سے کوئی سوال کرتا کہ:۔

''مجرد رہنا بہتر ہے یا متاہل؟'' (عیال دار ہونا)

تو آپ جواب میں فرماتے:۔

''مجرد رہنا عزیمت ہے اور تاہل کی بھی رخصت ہے!'' (سیر الاولیاء)

حضرتِ مطرف بن عبداللہؒ کا قول ہے:۔

''جس نے عورتوں اور لذیذ کھانوں کو ترک کیا، اس سے کرامت کا ظہور ہونا لازمی ہے-----!'' (طبقاتِ کبریٰ)

مشہورِ زمانہ بزرگ حضرت مالک بن دینارؒ کے زمانہ میں بصرہ کے ایک رئیس نے وفات پائی-----اس کی اکلوتی، حسین وجمیل اور دولت مند بیٹی نے حضرت مالک بن دینارؒ کو اپنی شادی کا پیغام بھجوایا تو آپ نے جواب میں فرمایا:

''عورت کا تعلق دنیا سے ہے اور دنیا کو میں پہلے ہی تین طلاقیں دے چکا ہوں لہٰذا تین طلاقوں والی سے دوبارہ نکاح نہیں کرسکتا!''

چنانچہ احرام پوش وارثی فقراء کا یہی طریقہ رہا ہے کہ فقر وقناعت کے ساتھ ساتھ تجرید و تفرید کی بھی سختی سے پابندی کی ہے-----گوشہ نشینی اختیار کی یا سیر وسیاحت میں رہے----- اہلِ دنیا سے قطعی بے غرض رہے، اگر کسی نے خلوص ومحبت سے زیادہ ہی مجبور کیا تو عارضی طور پر مہمان ہو گئے-----اس کے بعد خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے پھر سفر پر چل دیئے-----اور وہ بھی اس شان سے کہ انہیں نہ سواری کی ضرورت، نہ سامانِ سفر کی قباحت-----حتیٰ کہ ان وارثی فقراء نے اپنے عزیز واقارب تک کے یہاں تقریبات تک میں شرکت سے گریز کیا-----گویا دنیاوی تعلقات کو قطعی منقطع کردیا اور کامل طور پر مجرد رہ کر زاہدانہ زندگی بسر کی۔

ع   خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

سلام

السلام اے آفتابِ اولیاء
السلام اے شمعِ بزمِ انبیاء
السلام اے حاجی وارث علی
السلام اے افتخار ہر ولی
السلام اے سیدِ اعلیٰ حسب
السلام اے عزت والا نسب
السلام اے پیشوا و مقتدا
نورِ عینِ مصطفےٰ و مرتضےٰ
السلام اے مخزنِ بحرِ عطا
السلام اے منبعِ جود و سخا
السلام اے مونسِ درماندگاں
السلام اے چارۂ بے چارگاں
قبر و حشر و نشر میں ہو دستگیر
ہو نگاہِ مرحمت سوئے بشیرؔ

-----(بشیر احمد انصاری نگرامی)-----

سلسلہ وارثیہ میں ''توکل'' کی اہمیت

دنیادار کے لئے رزقِ حلال کی خاطر مشقت اٹھانا نہایت مستحسن ہے مگر عاشقانِ الٰہی کا دوسرا معاملہ ہوتا ہے، بقول مولانا رومؒ

ے تا بدانی ہر کرا یزداں بخواند
از ہمہ کارِ جہاں بیکار ماند

ترجمہ: ''جس کو خدا سے سروکار ہوتا ہے، اس میں دنیاوی کاروبار کی صلاحیت نہیں رہتی۔''

عاشقانِ حق روحانی غذا سے سرشار ہو کر مادی غذا سے بے نیاز ہو جاتے ہیں مگر یہ کاملین کا مقام ہے-----اس سے قطع نظر طالبانِ الٰہی جو روحانیت میں قدم رکھتے ہیں وہ نورانی غذا کے حصول کے لئے قلب کو دن رات ذکر و فکر میں مشغول رکھتے ہیں .....لیکن ایسے روحانی مجاہدوں میں اسی وقت یکسوئی پیدا ہو سکتی ہے جبکہ شاغل خود مادی غذا کی فراہمی کی فکر سے آزاد ہو ورنہ دلجمعی سے ذکر و فکر کا کوئی مجاہدہ طے نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے سرکار وارثِ پاک نے اپنے فقراء کو ہدایت فرمائی کہ:۔

''دنیا کے واسطے کوئی پیشہ اختیار نہ کرو ورنہ کسب کی مشغولیت، دائمی ذکر واذکار میں خلل پیدا کرے گی۔''(ارشادالوارثیہ از شیدؔا وارثی)

اس لئے:۔

''فقیر اسی پر قناعت کرے جو بے طلب غیب سے اس کو پہنچے-----!''

(ارشادالوارثیہ از شیدؔا وارثی)

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدۂ مبارکہ ہے:۔

وما من دآبۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا

ترجمہ:۔ ''اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمۂ کرم پر نہ ہو۔''

اللہ پاک کے اس پختہ وعدے کے باوجود بندے کا اطمینان نہ ہونا ایمان کے سراسر

خلاف ہے----خصوصاً ایسی حالت میں کہ رازق نے ہمارے اطمینان کے واسطے اپنے وعدۂ رزق پر قسم بھی کھائی ہے اور یہاں تک فرمایا ہے کہ:

وفی السماء.....الیٰ.....انه الحق۔ (پارہ ۲۸۔رکوع ۱۸)

ترجمہ: ''اور آسمان میں تمہارے واسطے رزق ہے-----جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے-----اور آسمان اور زمین کے رب کی قسم! بے شک یہ حق ہے-----!''

اس طرح:۔

''پروردگارِ عالم رزق پہنچانے کی خود قسم کھا رہا ہے۔اب بھی اگر کوئی یقین نہ کرے تو اس پر خدا کی لعنت!'' (قول حضرت حسن بصری: منہاج العابدین از امام غزالی)

چنانچہ سرکار وارثِ پاک نے اپنے فقراء کو سخت تاکید فرمائی کہ:۔

''اسباب وکسب کو وسیلہ نہ بناؤ'' (قول وارث)

کیونکہ وکفی باللہ وکیلا

ترجمہ:۔''اور اللہ ہی کافی کارساز ہے۔''

اس کے برخلاف اگر:۔

''کسب پر بھروسہ رہے گا تو تصدیق محال ہے۔'' (قول وارث)

(ارشادالوارثیہ از شیدا وارثی)

اس لئے:

''غیر اللہ کی امداد پر بھروسہ نہ کرو۔'' (قول وارث)

کیونکہ : **واللہ المستعان** (پ۱۲ رکوع ۱۲)

ترجمہ'':اور اللہ ہی سے مدد لی جاتی ہے۔''

اس طرح بہ ہر عنوان سرکار وارثِ پاک نے مسبب الاسباب پر بھروسہ کرنے کی تلقین فرمائی ہے،اس کے بر خلاف----سبب----پر بھروسہ کرنے سے قطعی منع فرمایا

ہے، بقول حضرت اویسؓ

''جب متوکل رزق کی تلاش میں نکلتا ہے تو اس کا توکل ٹوٹ جاتا ہے۔''

(ضیافت الاحباب)

اس لئے:۔ **فتوکلوا ان کنتم مؤمنین**۔(القرآن)

ترجمہ:۔''اگر تم ایمان والے ہو تو خدا پر بھروسہ کرو۔''

گویا توکل ایمان کی دلیل ہے-----اس پر صدق دل سے ایمان لانا چاہئے-----ورنہ:

''جس کو تصدیق نہیں، اس کا ایمان کمزور ہے۔''(قول وارث)

اسی لئے:۔

''اہلِ تصدیق کسب نہیں کرتے۔''(قول وارث) (ضیافت الاحباب)

چنانچہ عہدِ نبویؐ میں اس کی روشن مثال-----اصحاب صفہ-----کی نورانی زندگی میں موجود ہے جو خاص رسول اللہ ﷺ کے منشاء وایماء سے ایک ہی جگہ سکونت رکھتے ہوئے متوکلانہ زندگی گذارتے تھے اور خود رسول اللہ ﷺ انہیں کسب و جہاد کی تکلیف نہ دیتے تھے۔(مرأۃ الاسرار) اور اس پر یہ اعزاز کہ خود خدائے پاک ،کلامِ پاک میں-----اصحابِ صفہ-----کے افعال وکرادر کی تعریف فرما رہا ہے-----سنیے:۔

للفقراء الذین-----الی-----الحافا (پ۳ رکوع ۵)

ترجمہ:۔''ان فقیروں کے لئے جو راہِ خدا میں روکے گئے-----زمین پر چل نہیں سکتے-----نادان انہیں تونگر سمجھے-----بچنے کے سبب-----آپ انہیں، ان کی صورت سے پہچان لیں گے-----لوگوں سے سوال نہیں کرتے کہ گڑگڑانا پڑے۔''

اس آیۂ مبارکہ کے مطابق اللہ کے فقیروں کی یہ تعریف ہوئی کہ-----''وہ اللہ کی راہ میں مجاہدے کرتے ہیں-----ہر وقت یادِ الٰہی میں مشغول رہتے ہیں-----اپنے اسی ذوق و شوق کے سبب تجارت یا کسبِ معاش کے لئے کوئی سفر اختیار نہیں کرتے اور کسی سے کبھی سوال نہیں

کرتے ----- اسی شانِ بے نیازی کے سبب لوگ انہیں غنی سمجھتے ہیں ----- بس وہ اپنی نورانی پیشانی کے سبب پہچانے جاتے ہیں ----- صحیح معنیٰ میں یہی اللہ کے فقیر ہوتے ہیں!"

(تفسیر حضرت شیخ اکبر محی الدینؒ)

اسی آیۂ شریفہ کی روشنی میں وارثی فقراء اپنی زندگی کو فقر وقناعت کے نورانی سانچے میں ڈھالتے ہیں، محض اللہ کے بھروسہ پر قطعی متوکلانہ زندگی گزارتے ہیں۔

احرام کا کفن

اللہ کی راہ میں ساری عمر وارثی فقراء ایک احرام ہی میں ملبوس رہ کر گزار دیتے ہیں چنانچہ مرنے کے بعد بھی انہیں اسی احرام میں لپیٹ کر دفن کر دیا جاتا ہے ----- یہ طریقۂ تکفین بھی رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق ہے کہ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ:

"ایک شخص احرام باندھے تھا اس کو اونٹنی نے ٹکر مار دی، وہ مر گیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ----- اس کو مہندی کے پانی سے غسل دے کر اسی کے کپڑوں کا کفن دو اور خوشبو نہ لگاؤ اور سر نہ ڈھانکو ----- قیامت کے روز "لبیک" کہتا ہوا اٹھے گا۔"

(البدور السافرہ فی امور الآخرہ از علامہ جلال الدین سیوطیؒ)

عین اسی سنتِ عاشقانہ کی پیروی کرتے ہوئے سرکار وارثِ پاک نے اپنے فقیروں کے لیے حکم صادر فرمایا کہ:۔

"فقیر مر جائے تو اسی تہبند (احرام) میں لپیٹ کر دفن کر دو ----- یہی اس کا کفن ہے!"

دوسری بات یہ ہے کہ ----- حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کی آنکھوں کے تارے یعنی سیدنا وارث پاک نے اپنے غلاموں کو اپنی آبائی سنت سے مستفیض کرنے کے لئے بھی یہ حکم صادر فرمایا تھا کیونکہ حضرت خاتونِ جنتؓ نے وقتِ اخیر مولا علی کرم اللہ وجہہ کو وصیت فرمائی تھی کہ:۔

"اسی جگہ اور اسی لباس میں مجھ کو دفن کرنا ----- چنانچہ حضرت علیؓ نے ایسا ہی کیا۔"

(جذب القلوب از شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ)

غرض کہ بنت رسول اللہ ﷺ کی عین سنت کے مطابق سرکار وارثِ پاک نے یہ حکم صادر فرمایا کہ:۔

''فقیر کا جہاں انتقال ہو، وہیں (احرام میں لپیٹ کر) دفن کر دیں۔''

اس کے علاوہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ از روئے شریعت شہداء کو کفن کے بجائے ان کے ملبوس ہی میں دفن کرتے ہیں اور عاشقانِ الٰہی تو حقیقی شہید ہوتے ہیں کیونکہ شہید تو دشمن کی تلوار سے مرتا ہے اور عاشق ادائے دوست کے مارے ہوئے ہوتے ہیں:۔

''ایں کشتۂ دشمن است و آں کشتۂ دوست''

لہٰذا فقراء کو ان کے ملبوس میں دفن کرنا شہداء کی تدفین کے بھی عین مطابق ہے۔

؎ حیاتِ جاودانی پا گئے جو مرمٹے ان پر
حقیقت میں ہیں بیدم چشمۂ آبِ بقا وارث

احرام کی پیلی رنگت

جس طرح آرام دہ لباس جسم کو حلاوت بخشتا ہے اسی طرح لباس کا رنگ بھی خاص اثر و تاثیر رکھتا ہے اسی لئے صوفیاء کو اپنی طبیعت کی افتادہ کے مطابق کسی خاص رنگ سے نسبت ہوتی ہے چنانچہ لباس کا رنگ اہلِ طریقت کے حسبِ حال ہوتا ہے۔

یہ تو سبھی کو معلوم ہے کہ سیدنا حاجی وارث علی شاہؒ کا مسلک-----عشق-----تھا اور عشاق کی معراجِ کمال-----فنائے کامل-----ہوتی ہے اسی لئے اہلِ فنا کو خاک سے خاص نسبت ہوتی ہے جس کا حقیقی رنگ زرد ہے، یہی وجہ ہے کہ سرکار وارثؒ پاک نے اپنے لباس کے لئے خاص طور پر زرد رنگ پسند فرمایا جسے اہلِ فنا سے خاص نسبت ہے۔

قطع نظر اس کے کہ زرد رنگ میں-----نسبتِ ابوترابی-----کو بھی خاص دخل ہے کیونکہ آپ کے جدِ امجد حضرت علی کرم وجہہ الکریم کو سرورِ کائنات ﷺ نے-----''ابوتراب'' (مٹی کا باپ)-----کا خطاب عطا فرمایا تھا-----اسی سنتِ مرتضوی کے طور پر سرکار

وارثِ پاک نے ہمیشہ زمین پر لیٹنا ، بیٹھنا اختیار فرمایا اور اپنے احرام کے لئے بھی مٹی کے حقیقی رنگ کو منتخب فرمایا ، چنانچہ زرد رنگ آپ کی -----ابوترابی نسبت-----کو ظاہر کرتا ہے۔

سرحلقۂ خاکیاں علی بود

قطع نظر ان سب باتوں کے زرد رنگ کی حرمت میں احادیثِ صحیحہ بھی موجود ہیں چنانچہ-----صحیح بخاری ، کتاب اللباس-----میں ہے کہ:۔

''حضرت عبداللہ بن عمرؓ سب سے زیادہ زرد رنگ کا لباس استعمال فرمایا کرتے تھے اور جب کوئی پوچھتا تو آپ بتاتے کہ-----میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو زرد رنگ استعمال کرتے دیکھا ہے اسی لئے میں زرد رنگ کو دوست رکھتا ہوں-----!''

اس کے علاوہ یہ روایت پڑھیے:۔

''حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی سب رنگوں سے زیادہ زرد رنگ ہی کو عزیز رکھتے تھے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو زرد رنگ پسند تھا!'' (تیسیر القاری شرح صحیح بخاری) اور سب سے بڑی بات یہ کہ-----خود مخبرِ صادق ﷺ نے خبر دی ہے کہ:۔

''حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب آسمان سے نزول فرمائیں گے تو دو زرد چادریں آپ کے لباس میں ہوں گی-----!''

(سنن ابوداؤد ، جلد ثانی ، بروایت حضرت ابوہریرہؓ)

دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زرد رنگ میں احرام پوش ہوں گے۔

چادر شریف

وارثِ پنجتن کی چادر ہے
اک حسیں گلبدن کی چادر ہے
کیوں نہ ہو پیلا پیلا رنگ اس کا
عاشقِ خستہ تن کی چادر ہے
اس کی چھاؤں میں دونوں عالم ہیں
سایۂ ذوالمنن کی چادر ہے
بلبلانِ حرم چہکتے ہیں
فخرِ گل پیرہن کی چادر ہے
کیجئے اس پہ تازہ پھول نثار
رشکِ سرو و سمن کی چادر ہے
سب جسے روحِ کائنات کہیں
یہ اسی جانِ من کی چادر ہے
اہلِ محفل نہ سر پہ کیوں رکھیں!
نازشِ انجمن کی چادر ہے
کیوں نہ کاوشؔ، لگائے آنکھوں سے
وارثِ پنجتن کی چادر ہے

سلسلۂ وارثیہ میں نقش وتعویذ اور عملیات کی ممانعت

اکثر بزرگانِ دین نے خلق کی حاجت روائی کیلئے نقش وتعویذ کا لکھنا خود بھی پسند فرمایا اور فلاحِ عام کے لئے عملیات مقرر بھی فرمائے ہیں مگر راہِ طریقت میں عشق ومحبت کے مارے ہوؤں کا معاملہ دوسرا ہوتا ہے، یہاں تو بس:

''رضائے یار عاشق کا ایمان ہے'' (قول وارث پاک)

لہٰذا جو صحرائے عشق میں سرگرداں ہیں، انہیں بھلا تعویذ گنڈوں سے کیا کام؟

؎ دے کے دل ہم جو ہو گئے مجبور
اس میں کیا اختیار ہے اپنا

چنانچہ مسلکِ عشق میں تو ظاہری کوشش بھی ممنوع ہے۔

؎ مسلکِ عشق میں ہے فکر حرام
دل کو تدبیر آشنا نہ کرے

بلکہ مرضی یار کے خلاف فکر وتدبیر کرنا......آدابِ عشق......کے سراسر خلاف ہے۔

؎ مرضی یار کے خلاف نہ ہو
لوگ میرے لیے دعا نہ کریں

عاشق تو 'مرضی یار' کے خلاف سوچ بھی نہیں سکتا کیونکہ:۔

''عاشق کا منصب یہ ہے کہ معشوق کے آگے سرِ تسلیم خم رہے۔'' (قولِ وارث)

؎ ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے
بے نیازی تری عادت ہی سہی

اس کی وجہ یہ ہے کہ:

''معشوق کا ترسانا اور حجاب وعتاب ہی رحم وفضل ہے۔'' (قول وارث)

جفا کو بھی وفا سمجھو کہ حسرت
تمہیں حق ان سے کیا چوں چرا کا

اس لئے:

''عاشق کو لازم ہے کہ سر کٹ جائے مگر شکایت نہ کرے کیونکہ قاتل بھی غیر نہیں!''

(قول وارث)

غم ہے محبوب اس لئے مجھ کو
میرے محبوب کی امانت ہے

تصوف کا یہ نکتہ سمجھ لیا جائے تو سبھی مشکلیں آسان ہو جائیں۔

آلامِ روزگار کو آساں بنا دیا
جو غم ہوا اسے غمِ جاناں بنا دیا

یہ مقامِ تسلیم ورضا ہے..... یہ بڑی سخت منزل ہے۔

غم سے نازک ضبطِ غم کی بات ہے
یہ بھی دریا ہے مگر ٹھہرا ہوا

مگر عاشقانِ جانباز صبر و رضا ہی میں سکونِ قلب پاتے ہیں..... یہ مقامِ حسینؓ ہے۔

ستم ہو یا کرم ،دونوں کو یکساں وہ سمجھتا ہے
سرِ عاشق درِ جاناں پہ خم یوں بھی ہے اور یوں بھی

تو نتیجہ یہ نکلا کہ:۔

الفقیر ھوالذی لا یکون لہ الی اللہ حاجۃ

(طبقات الکبریٰ از امام شعرانی)

ترجمہ:۔ ''فقیر وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ سے بھی کوئی حاجت نہ ہو۔''

چنانچہ سرکار وارثِ پاک فرمایا کرتے تھے:

''فقیر کو چاہئے کہ اللہ سے بھی نہ مانگے، کیا وہ نہیں جانتے جو شہ رگ سے بھی قریب ہیں-----!

؎ مل رہے گا جو ان سے ملنا ہے
لب کو شرمندۂ دعا نہ کریں

اسی لئے سرکار وارثِ پاک والہانہ انداز میں فرمایا کرتے تھے:

''دعا مانگنا تسلیم و رضا کے خلاف ہے۔''

؎ مجھ سے محتاجوں کو بے مانگے ملا کرتا ہے
عرضِ حاجت ترے دربار میں ہے بے ادبی (بیدؔم شاہ وارثی)

چنانچہ وارثِ پاک کی اپنے فقراء کو سخت ہدایت ہے کہ:

''تعویذ، گنڈا، دعا، بددعا کچھ نہ کرے۔''

کیونکہ:

''محبوب کی دی ہوئی چیز سے گھبرانا محبت کے خلاف ہے۔'' (قول وارثِ پاک) لہٰذا

؎ کسی کروٹ، کسی پہلو نہ آئے چین بیدؔم کو
ترقی تری اے دردِ محبت ہو تو ایسی ہو

اسی وجہ سے سرکار وارثِ پاک فرمایا کرتے تھے:

''محبوب کی شکایت مذہبِ عشاق میں کفر ہے۔''

؎ نہ مانگ زاہد ناداں ذرا سمجھ تو سہی!
شکایتیں ہیں یہ کس کی، دعا کے پردے میں

چنانچہ بقول بیدم وارثی ایک سچے عاشق کی تو یہ کیفیت ہوتی ہے۔

؎ نہ خوفِ دوزخ ، نہ شوقِ جنت ، میں وارثی ہوں میں وارثی ہوں
مجھے برابر ہے رنج و راحت ، میں وارثی ہوں میں وارثی ہوں

اور ایسا کیوں نہ ہو کہ ایک سچے عاشق کا مقصودِ حیات، محبوب کی ذات ہوتی ہے۔ جس پر قربان ہو جانا ہی محبت کی معراج ہے۔

؎ جان تم پر نثار کرتا ہوں
میں نہیں جانتا دعا کیا ہے

مدعاءِ شاہِ وارث

کروں جان تم پر فدا ، شاہِ وارث
یہی دل کا ہے مدعا ، شاہِ وارث
میں پھیلاؤں دستِ طلب کس کے آگے
ہوں تیرے ہی در کا گدا ، شاہِ وارث
مصیبت میں مجھ بے نوا کو بچا لو
تمہارا ہی ہے آسرا ، شاہِ وارث
دکھا دو خدارا حقیقت کا رستہ
میرے ہادی و رہنما ، شاہِ وارث
پہنچ جائے روضہ پر اخگر تمہارا
نگاہِ کرم مجھ پہ ، یا شاہِ وارث

(منشی احمد حسین اخگر، رائے بریلوی)

عاشق کی آخری منزل

عاشق کی آخری منزل----محبوب کی ذات میں فنا ہو جانا ہے----اور یہی توحید کامل ہے۔ بقول مولانا روم:۔

ع تو در و گم شو کہ توحید ایں بود

چونکہ عاشق کی زندگی موت کے مترادف ہوتی ہے اس لئے اس کا لباس بھی مردے جیسا ہی ہونا چاہئے، اسی لئے سرکار وارثِ پاک اپنے فقراء کو احرام عطا فرماتے وقت جتا دیتے تھے کہ:

''یہ کفن ہے''

''جس طرح مردے کو اسبابِ دنیا سے کوئی تعلق نہیں اسی طرح فقیر کو چاہئے کہ دنیا اور اسبابِ دنیا سے سروکار نہ رکھے۔'' (قولِ وارث)

ان صریح احکامات کے باوجود اگر کوئی فقیر دنیا کی محبت میں پھنسا ہوا ہے تو گویا اس نے احرام پوشی کا حق نہ ادا کیا----فقر کے نام کو بٹہ لگایا اور درویشی کو رسوا کیا----قدرت کے نزدیک نہ وہ کسی نعمت کا حقدار ہے، نہ کسی انعام کا مستحق!

شریعت اور محبت

''خدا کے حکم کی تعمیل ہی خدا سے محبت کی دلیل ہے۔''

سرکار وارثِ پاک کا یہ قول محبت کا حقیقی معیار ہے اس کے برخلاف اگر کوئی شخص زبانی طور پر محبت کا دعویٰ کرتا ہے لیکن احکاماتِ محبت کا بجالانا ضروری نہیں سمجھتا تو ایسے خودسر شخص کو سرکار وارثِ پاک بے ادب قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''شریعت میں خود بینی آدابِ عبدیت کے خلاف ہے----''

؎ بہت نازک ہیں آدابِ محبت
نظر سے کام لیتا ہوں جبیں کا

سرکار وارثِ پاک کے اس صریح حکم کے خلاف اگر کوئی شخص پھر بھی اپنی بے علمی پر بضد ہے تو صریحاً وہ قانونِ محبت کا باغی ہے چنانچہ شریعت سے سرکشی کرنے والوں کو راندۂ درگاہ کرتے ہوئے سرکار وارثِ پاک اعلانِ عام فرماتے ہیں کہ:

''جو نماز نہ پڑھے وہ ہمارے حلقۂ بیعت سے خارج ہے-----''

چنانچہ سرکار وارثِ پاک ہی نے جب بے نمازی کو اپنے حلقۂ بیعت سے خارج کر دیا ہے تو ایسے دھتکارے ہوئے بے نمازی کی کسی بات کو کوئی وزن نہ دینا چاہئے اور قولِ وارث پاک کے خلاف اس بے نمازی کی کسی دلیل پر کان نہ دھرنا چاہئے کیونکہ:۔

''ہر شخص پر پابندیٔ شریعت اور اتباعِ سنت لازم ہے-----!''

یہ اللہ، رسول ﷺ اور سرکار وارثِ پاک کا اٹل فیصلہ ہے جس کے خلاف کوئی اپیل نہیں ہو سکتی۔

چنانچہ خود وارث پاک نے ''عشق'' کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

''ع''-----سے عبادتِ الٰہی

''ش''-----سے شریعت کی پابندی

''ق''-----سے قربانیٔ نفس مراد ہے

مزید نکتہ پیدا کیا کہ:۔

عاشق کے شروع میں-----''عین'' ہے۔

اور شرع کے آخر میں-----''عین'' ہے۔

یہ اشارہ اس طرف ہے کہ جو کوئی شرع شریف کے درجات آخر تک طے نہ کرے وہ عشق میں کمال حاصل نہیں کر سکتا-----''

اس تمام بحث سے یہ حقیقت پوری طور پر آشکارا ہوگئی ہے کہ-----''محبت اور شریعت''-----لازم وملزوم ہیں اور جو اس کی خلاف ورزی کرے وہ سراسر ملزم ہے اس لئے:

''انسان کو چاہئے کہ اپنے نفس کو قابو میں رکھے انجام کار کامیاب ہوگا-----اگر نفس کی باگ ہاتھ سے چھوٹ جائے گی تو اس وجود کو سزائے دار دی جائے گی''-----

(قول وارث پاک) (ندائے غیبی از محبوب شاہ وارثی)

گگریا سادھو ہمری

وارث پیا مورے بانکے سانوریا ، گگریا سادھو ہمری
نہا پریم کی بھاری گگریا ، ہم سے نا ہیں سمہری
گگریا سادھو ہمری
آپ تو سوامی پار اتر گئے ، اوڑھ کے کاری کمری
گگریا سادھو ہمری
تم پنجتنؑ کے راج دلارے ، ہم چیری تمہری
گگریا سادھو ہمری
بیدمؔ وارث جھب نہ بسرے ، چتون لاج بھری
گگریا سادھو ہمری

(بیدمؔ شاہ وارثی)

تارکِ نماز، وارثی نہیں ہوسکتا

سرکارِسراپاعمل کی جیتی جاگتی پوری زندگی کتابی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے حقائق سے ثابت ہے کہ سرکاروارثِ پاک کی نورانی زندگی کا ہر سانس ذکرِالٰہی سے مملو----- دل ہمہ وقت یادِالٰہی میں غرق-----اور جسمِ اطہر عجز و نیاز کی مکمل تصویر بنا ہوا ہے مگر افسوس کہ پھر بھی دن دہاڑے آفتابِ ولایت کی نورانی سیرت کے اجالے میں بعض اندھیروں کے پجاری یہ الٹا دعویٰ کرتے ہیں کہ:

''ہم تو سرکار کی محبت اور پیروی میں نماز نہیں پڑھتے-----!''

ایسے سچے عاشقوں سے بس اتنی سی گذارش ہے کہ----ذرا سرکار کی محبت میں کھانا کھانا بھی تو چھوڑ دو----سرکار نے تو چالیس چالیس دن کا فاقہ کیا ہے----تم صرف چار دن ہی مسلسل بھوکا رہ کر دکھا دو!----مگر ایسی نورانی سنتیں ان سے کہاں پوری ہونے کی جو سڑانڈ، بد بو اور تعفن پیدا کرنے والی مرغن غذاؤں سے جسم پر گوشت کے لوتھڑے چڑھائے رہتے ہیں---- لذیذ کھانوں کے چٹخارے تلاش کرتے پھرتے ہیں اور تن پروری کے لئے لمبے چوڑے دستر خوان سجاتے ہیں----قیصر و کسریٰ کی سنت ادا کرنے والوں کو فقیری اور درویشی سے بھلا کیا واسطہ؟ ----روحانیت سے انہیں کیا تعلق؟ روح کی لطافت سے انہیں کیا نسبت؟----انہیں بھلا کیا معلوم کہ روح بھوکے رہنے سے طاقتور ہوتی ہے کیونکہ روح کی غذا ---- بھوک ہے----بھوک ہی سے روح کو یہ لطافت حاصل ہوتی ہے کہ سالکانِ خدا ایک وقت میں کئی کئی جگہ موجود پائے جاتے ہیں----کبھی بیت المقدس میں نماز پڑھتے نظر آتے ہیں تو کبھی خانۂ کعبہ میں امامت فرماتے ہیں----مگر یہ لوگ نہ تو کبھی مکہ میں دیکھے گئے نہ مدینہ میں نظر آئے----! تو پھر شاید یہ لوگ عرش پر فرشتوں کے ہمراہ نماز پڑھ لیتے ہوں گے----! مگر لطف کی بات یہ ہے کہ کھانا----یہیں----اسی دنیا میں----اسی منہ سے کھاتے ہیں----جس منہ سے سرکار وارثِ پاک پر بے نمازی ہونے کا الزام لگاتے ہیں-----لاحول ولاقوۃ الا باللہ!

اب ذرا ان سچے بادشاہوں سے کوئی اتنا تو پوچھے کہ جناب ذرا یہ تو بتایئے کہ سیدنا وارث پاک نے نماز کب چھوڑی؟ ------ البتہ سرکار وارثِ پاک نے نماز چھوڑنے والوں کو چھوڑ دیا ------ چنانچہ صاف صاف یہ اعلان فرما دیا کہ:

''جو نماز نہ پڑھے وہ ہمارے حلقۂ بیعت سے خارج ہے ------!''

ذرا اس اعلان کو سرکار وارثِ پاک کے نورانی ملفوظات میں سے خارج کر کے تو دکھاؤ ------ اگر یہ ناممکن ہے تو ضرور ہے کہ وارثِ پاک کے اعلان کے مطابق اپنے نام کو وارثی دفتر سے خارج سمجھو ------!

جہاں تک نماز اور سرکار وارثِ پاک کی ذات کا تعلق ہے تو سنو ------ اسلام کا رکنِ اعظم ہونے کی حیثیت سے نماز کے ساتھ سرکار وارثِ پاک کا تعلق خاص تھا ------ نماز کے ساتھ آپ کا بے حد و بے حساب ذوق و شوق اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ باجماعت نماز ادا کرنے کے لئے چلچلاتی دھوپ میں آپ ننگے سر، ننگے پاؤں پیدل چل کر مسجد تک تشریف لے جاتے تھے اور راستے کی طویل مسافت طے کرنے کے لئے ہرگز سواری قبول نہ فرماتے تھے۔

(حیاتِ وارث از شیدا وارثی)

نماز آپ ہمیشہ اول وقت میں اور نہایت اطمینان سے پڑھتے تھے، نماز کا ہر رکن آپ دیر دیر میں ادا فرماتے تھے۔ (انوارِ اولیاء از سید رئیس احمد جعفری)

نماز کی ظاہری ادائیگی کا آپ کو اس درجہ لحاظ تھا کہ اخیر زمانہ میں جب استغراق زیادہ بڑھ گیا تو اپنے پاس موجود خدام سے آپ تصدیق فرماتے کہ ------ ''کیا نماز ٹھیک طرح ادا ہو گئی؟ ------'' اگر وہ تصدیق کر دیتے تو ٹھیک ------ ورنہ آپ وہی نماز دوبارہ اور سہ بارہ ادا فرماتے۔ (مشکوٰۃ حقانیہ)

------ اور ویسے بھی اخیر دنوں میں اپنی تسلی کے لئے آپ ایک وقت کی نماز کئی بار ادا کرتے اور کوئی اعتراض کرتا تو فرماتے:

"خیر! پھر پڑھ لی اس میں تمہارا کیا حرج ہوا؟"

(حیاتِ وارث از مرزا منعم بیگ وارثی)

حالانکہ آخر وقت ضعف حد درجہ بڑھ چکا تھا مگر پھر بھی یہی اصرار ہوتا کہ نماز کھڑے ہو کر ہی ادا کریں گے، آخر دو خدام بغلوں میں ہاتھ ڈال کر آپ کو کھڑا کر دیتے اور اپنے مولا کے حضور باادب کھڑے ہو کر ہی نما ادا کرتے رہے، آخر وقت تک آپ نماز وقت پر ہی ادا فرماتے رہے۔

(انوارِ اولیاء از سید رئیس احمد جعفری)

ان سب حقائق سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ سرکار وارثِ پاک کا نماز کے ساتھ ذوق وشوق بے حد و بے حساب بڑھا چڑھا ہوا تھا، اس کے باوجود اگر اب بھی کوئی بدظن اپنی خباثت چھپانے کے لئے سرکار وارثِ پاک پر بے نمازی ہونے کا الزام لگائے تو شوق سے اپنی عاقبت خراب کرے اور اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے، اس سے سرکار وارثِ پاک کا کچھ نہیں بگڑتا کیونکہ سرکار وارثِ پاک تو نماز کی بڑی سختی سے پابندی کرنے والے تھے!-----آپ تو بڑے ذوق وشوق کے ساتھ رات رات بھر نماز پڑھتے رہتے تھے اور دوسروں کو بھی نماز کی سختی سے ہدایت فرمایا کرتے تھے-----آخر یہاں تک فرمایا کہ:

"جو نماز نہ پڑھے وہ ہمارے حلقۂ بیعت سے خارج ہے-----!"

(حیاتِ وارث از شیدا وارثی)

وارثی فقیر کی پہچان

اس میں کوئی شک نہیں کہ سرکار وارثِ پاک نے اپنے احرام پوش فقیر کی بڑی عزت افزائی فرمائی ہے ان کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ-----ان کی خوشی کو اپنی خوشی اور ان کے رنج کو اپنا رنج بتایا ہے اور ہے بھی یہی بات! چنانچہ وارثِ پاک کا عکسِ جمیل ہونے کی صورت میں کسی احرام پوش فقیر کی جتنی بھی تعظیم وتکریم کی جائے وہ کم ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ -----جس فقیر کے ہاتھ کو سرکار وارثِ پاک نے اپنا ہاتھ قرار دیا ہے، جس کی خوشی کو اپنی خوشی

اور جس کے رنج کو اپنا رنج کہا ہے اس احرام پوش فقیر کی پہچان کے لئے کچھ خاص نشانیاں بھی سرکار وارثِ پاک نے بتا دی ہیں تاکہ اصلی اور نقلی کی پہچان ہو سکے اور سادہ لوح وارثی مرید شیر کی کھال میں کسی بھیڑیئے کو دیکھ کر دھوکا نہ کھا جائیں اس لئے یہ خاص نشانیاں اور امتیازی خوبیاں جس احرام پوش فقیر میں ہوں اس کا شایانِ شان استقبال کر کے گھر میں اتارا جائے اور اس کی خوب خدمت کی جائے لیکن اس کے برخلاف جو احکاماتِ وارثی کا باغی ہو اسے منہ نہ لگایا جائے کیونکہ سرکار وارثِ پاک نے اپنے فقیر میں ان اوصاف کا ہونا ضروری قرار دیا ہے چنانچہ سرکار وارثِ پاک فرماتے ہیں:

''فقیر وہ ہے جس کے پاس بجز خدا کچھ نہ ہو''

''فقیر کو سوال کرنا حرام ہے.... اگر سات روز کا فاقہ بھی ہو جائے تو زبان پر نہ لائے ------ مر جائے مگر ہاتھ نہ پھیلائے۔''

''فقیر کو چاہئے کہ انجام کو دیکھے اور زمین ہی کو بستر بنائے ------ تخت، کرسی، پلنگ پر بیٹھنے سے رعونت آتی ہے۔''

زمیں کی طرح جس نے عاجزی و خاکساری کی
خدا رحمتوں نے اس کو ڈھانکا آسماں ہو کر

''فقیر کو تکیہ کی ضرورت نہیں ------ فقیر کا تکیہ اللہ پر ہو تو فقیر ہے ------''

''فقیر جورو بچوں کی محبت میں نہ پھنسے ------ دنیا کی عورتوں کو اپنی ماں بہن سمجھے ------''

''فقیر کو تعویذ گنڈا کرنا حرام ہے ------''

''فقیر کو تقریبات شادی و غمی میں شرکت کرنا.... سیاحت کے لئے سواری کا انتظام کرنا ------ مکان بنانا اور مال اسباب جمع کرنا ------ سخت منع ہے ------''

اس کے علاوہ آپ نے سخت لہجہ میں فرمایا:

''جو نماز نہ پڑھے وہ ہمارے حلقۂ بیعت سے خارج ہے ------''

''جو طمع میں گھر جائے وہ ہمارا نہیں-----''

ان تمام ضابطوں کی سرکار وارثِ پاک نے حکماً تعلیم فرمائی ہے اور اپنے فقیروں میں ان خوبیوں کا ہونا لازمی قرار دیا ہے۔ (ندائے غیبی از محبوب شاہ وارثی)

جن میں یہ اوصافِ حمیدہ موجود ہوں سمجھنا چاہئے کہ وہی سچے وارثی فقیر ہیں خواہ وہ احرام پوش ہوں یا احرام پوش نہ ہوں جیسا کہ خود سرکار وارثِ پاک نے اپنے ہر وارثی مرید کو سمجھا دیا ہے کہ:

''خدا کا ملنا صرف تہبند (احرام) پر موقوف نہیں، طلب پختہ ہو تو وہ ہر لباس میں مل سکتا ہے-----''

چنانچہ طلب پختہ کے ساتھ کوئی بھی سادہ پوش وارثی اگر ان سرکاری ضابطوں کی پابندی کرتا ہے تو وہ بے عمل احرام پوش سے بدرجہا بہتر ہے۔

؎ شوقِ پابندیِ آداب پہ ہنسنے والو
یہ ہے نادانی، تو نادانی بھی، دانائی ہے (مظہر عرفانی)

درحقیقت احرام پوش فقراء تو یہ فریضہ محبت ادا کرنے کے لئے مقرر کئے گئے ہیں کہ لوگوں کو عشقِ الٰہی کا سبق پڑھائیں اور نئے وارثیوں کو وارثی تعلیمات سے آگاہ کریں اور ان کی تربیت فرمائیں (بشرطیکہ وہ خود بھی کماحقہ، تعلیمات وارثی سے واقف ہوں اور اس پر عامل بھی ہوں-----!) اس طرح احرام پوش فقراء اگر فی الوقع لباس فقر سے آراستہ اور تمغۂ الفت سے پیراستہ ہوں تو قابلِ تقلید ہیں-----تصویر وارث ہونے کی صورت میں واقعی وہ اپنی جگہ قابلِ صد احترام ہیں-----کیونکہ احرام پوش فقیر ہونے کی حیثیت سے تمام وارثیوں کے برادرِ بزرگ ہیں اور حدیث شریف کی رو سے بڑا بھائی-----باپ کی جگہ ہوتا ہے-----!

اس لئے اس کی تعظیم بجالانا لازم اور ادب و احترام کرنا فرض ہے-----لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اس حقیقت کو بھی فراموش نہ کرنا چاہئے کہ-----بڑا بھائی ہر چند کہ باپ کی جگہ

ہوتا ہے مگر پھر بھی فی الواقع وہ خود----باپ----نہیں ہوتا-----

ع تجھ سے جہاں میں لاکھ سہی تو مگر کہاں

دراصل باپ تو وہی ہوتا ہے جو حقیقی باپ ہوتا ہے-----اس لئے احرام پوش فقراء بزعمِ خود کبھی اپنے آپ کو سرکار وارثِ پاک جیسی تکریم و تعظیم کا سزاوار نہ سمجھیں بلکہ خود کو ہر حال میں سرکار وارثِ پاک کا حقیر غلام اور ادنی خادم ہی کہتے رہیں-----کیونکہ

حسن و عشق ایک ہیں، آپس میں، نہیں ہے کچھ فرق
یہ اگر سچ ہے، تو کیا ہم ان کے برابر ہیں؟

کبھی نہیں!-----کبھی بھی نہیں!!!

آئینِ وارثی کی رو سے بڑے سے بڑا احرام پوش فقیر ہر چھوٹے سے چھوٹے وارثی کا پیر بھائی ہے-----محض پیر بھائی!

کیونکہ قیامت تک تمام نئے پرانے وارثیوں کے-----"روحانی باپ"-----تن تنہا وارثِ پاک ہیں-----صرف وارثِ پاک-----اور کوئی نہیں-----قطعی نہیں۔

کیوں نہ تم پر نثار ہو بیدمؔ
میرے وارث علی تم ہو

روحانی باپ، وارث پاک

اصولِ طریقت کے مطابق بلا شک و شبہ تمام وارثیوں کے-----"روحانی باپ" حضرت وارث پاک ہیں-----کیونکہ:-----

"جس طرح-----"پدرِ صوری"-----ہمارا جسمانی باپ ہوتا ہے-----اسی طرح-----"پدرِ معنوی"-----ہمارا-----روحانی باپ-----ہے-----"

(عوارف المعارف از شیخ شہاب الدین سہروردی)

چنانچہ سید علی محمد وفاؔ فرماتے ہیں:-----

''پس حلال نہیں کہ تم اپنے'' حقیقی باپ''-----کے سوا کسی اور کے نام سے پکارے جاؤ-----!'' (طبقاتِ کبریٰ از امام شعرانی)

اس سے ثابت ہوا کہ-----''حقیقی باپ'' وارث پاک-----کے سوا اور کسی (احرام پوش وارثی فقیر) کے نام سے (منسوب ہوکر) اگر کوئی وارثی پکارا جائے تو یہ کسی طرح حلال نہیں-----!

کیونکہ حلالی بیٹا اپنے حقیقی باپ کے علاوہ کسی اور کو اپنا باپ نہیں بناتا-----بالکل اسی طرح کسی احرام پوش فقیر کو اپنا پیرِ طریقت کہنا قطعی حرام ہے-----سلسلہ وارثی میں اس کا کوئی جواز نہیں-----تصوف کا یہ اٹل فیصلہ ہے اور طریقت کا یہ ناقابلِ تردید اصول ہے۔قدیم سے قدیم اور عظیم سے عظیم احرام پوش فقیر قیامت تک آنے والے بعد کے تمام وارثیوں کے پیر بھائی رہیں گے-----محض پیر بھائی-----البتہ پیر بھائیوں میں برادرِ بزرگ کی حیثیت سے ممتاز ضرور رہوں گے۔

لیکن اس سے بڑھ کر وہ کسی کے پیر بننا چاہیں تو یہ قطعی ناممکن ہے-----سلسلہ وارثیہ میں رہ کر پیر کسی کے نہیں ہو سکتے-----کیونکہ-----پیر سب کے صرف اور صرف وارث پاک-----ہی ہیں-----اور ہمیشہ وارث پاک ہی سب وارثیوں کے پیر رہیں گے-----یہ قیامت تک کے لئے سرکار وارثِ پاک کا دائمی فیصلہ ہے جسے کوئی چیلنج نہیں کر سکتا-----کیونکہ یہ محبت کا ان مٹ اصول ہے-----یہ عشق کا ناقابلِ تبدیل آئین ہے-----جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

وارث پاک زندہ باد-----محبت پائندہ باد

ھوالوارث

تمہیں تو رمزِ خالق کاشفِ اسرارِ وحدت ہو
تمہیں غواصِ معنی ہائے امواجِ حقیقت ہو
یقین ہے سبزہ زارِ خلد و رشکِ باغ جنت ہو
تمہارے زیرِ سنگِ آستاں اپنی جو تربت ہو
کہ تم تازہ بہارِ گلشنِ ملکِ ولایت ہو

نہ کیوں حاملِ لوائے احمدی ہو بزمِ داور میں
کیا خالق نے پیدا تجھ کو جب آلِ پیمبر میں
تو ہی ہے وارثِ آلِ عبا اولادِ حیدر میں
رہے باقی نہ عاصی ایک بھی میدانِ محشر میں
دمِ پرسش جو تیرا جوش پر دریائے رحمت ہو

جو یہ ہے تختِ درویشی تیرے دربار میں آئے
جسے حاجت ہو شاہی کی تری سرکار میں آئے
بدلنے کفر سے ایماں تیرے بازار میں آئے
برہمن بھی اگر ناقوس اور زنار میں آئے
تو محتاطِ شریعت اور پابندِ طریقت ہو

شبِ غم کو سحر اور صبح کو پھر شام کرتے ہیں
جو مر مر کر تری الفت میں زندہ نام کرتے ہیں
خدا کی شان ہے آغاز کو انجام کرتے ہیں
ہوالوارث جو کہہ کر ابتدائے کام کرتے ہیں
نہ کیوں ہر کام میں حاصل انہیں پھر فتح و نصرت ہو

تصورِ شیخ

تصورِ شیخ پر-----تصوف کی بنیاد ہے-----اس سے روحانی ترقی ہوتی ہے -----اسی سے ہر مرید کو منزلِ مراد ملتی ہے۔

ع نثار اپنے تصور کے کہ ہر جا وصل حاصل ہے

اس حقیقت کو اجاگر کرنے کے لئے سرکار وارث پاک نے بڑا خوبصورت جملہ عطا فرمایا ہے کہ:

"مرید وہ ہے جس کی مراد اس کا پیر ہو-----"

طریقت کے اس بنیادی اصول کے مطابق وارثیوں کی "مراد"-----خود سیدنا وارث پاک ہیں!

چنانچہ جب وارث پاک ہی ہر وارثی کی منزلِ مراد ٹھہرے تو اس کے آگے کی یہ تعلیم ہے کہ:

"خیال میں معشوق کی صورت نقش کرنی چاہئے-----!" (قول وارث پاک)

اور اس پختگی سے نقش کرنی چاہئے کہ وارث پاک ہی کی صورت ہر جگہ ہر وقت ہر وارثی کے ساتھ ساتھ رہے۔

ے جہاں تم ہو وہاں ہم ہیں
جہاں ہم ہیں وہاں تم ہو (بیدمؔ شاہ وارثی)

چنانچہ فرمایا:۔

"پیر کی صورت ہر وقت سامنے رہے، وہی صورت ہر جگہ نظر آئے، یہی-----فنافی الشیخ ہے۔"

ع جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے

تصورِ شیخ کے اس بنیادی قانونِ طریقت پر صحیح طور پر عمل اسی وقت ہوسکتا ہے جب تمام

وارثی تصوف کی اس بنیادی حقیقت کو سمجھ لیں کہ-----وارثیوں کے لئے وارث پاک کے علاوہ کسی دوسری صورت کا تصور تک حرام ہے-----جی ہاں! یہ خود وارث پاک نے فرمایا ہے کہ:

''عاشق کو ایک صورت کے سوا دوسری صورت حرام ہے۔''

پس ثابت ہوا کہ صرف اور صرف وارث پاک کا ہی تصور ہر وارثی کی زندگی کا ماحصل ہونا چاہئے۔

ایسی آنکھوں کے تصدق مری آنکھیں بیدمؔ
دوسرا دیکھ نہ پائیں جو سوائے وارث (بیدمؔ شاہ وارثی)

خود سرکار عالی وقار کا ارشادِ گرامی ہے کہ:

''یار کا تصور ہی، عاشق کی زندگی ہوتی ہے-----!''

ترا جمال ہے، تیرا خیال ہے، تو ہے
مجھے یہ فرصتِ کاوش کہاں کہ کیا ہوں میں ؟

چنانچہ تصوف کے اس اہم اصول کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ:

''جو پیر کی شکل ہے بس یہی سب کچھ ہے-----!''

شاید اسی کا نام ہے توہینِ جستجو
منزل کی ہو تلاش ترے نقشِ پا کے بعد

اس نظریۂ حقیقت پر سرکار وارث پاک نے اپنا سب سے زیادہ زورِ بیان صرف کیا ہے، آخر یہاں تک فرما دیا ہے کہ:

''عاشق کو خدا معشوق کی صورت میں ملتا ہے-----!''

ترے عشق میں جو فنا ہو گئے ہیں
خدا کی قسم با خدا ہو گئے ہیں

چنانچہ اے عاشقانِ وارث اگر وصلِ خدا کی آرزو ہے تو تصورِ وارث میں فنا ہو جاؤ تا کہ اس فنا سے بقائے دوام حاصل ہو کیوں کہ پیر کی ذات ہی میں سب کچھ ہے، بقول وارث پاک

''پیر کی صورت میں خدا ملتا ہے----- پیر کی ذات ہی میں----- ''فنافی الرسول'' ور----- ''فنافی اللہ'' ----- کا مرتبہ مل جاتا ہے۔''

ور پھر تمثیل میں آپ نے مولانا روم کا یہ شعر پڑھا:

چونکہ ذاتِ پیر را کر دی قبول
ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسول

دل میں سمائے وارث

آنکھوں میں آئے وارث دل میں سمائے وارث
تیرے لیے ٹھکانے کیا کیا بنائے وارث
خاکِ شفا سے بہتر کحل البصر سے بڑھ کر
اکسیر عاشقوں کی ہے خاکِ پائے وارث
اے آفتابِ محشر ، محشر سے مت ڈرائے
سایہ فگن ہے ہم پر ظلِ ہمائے وارث
اصغر کی یہ تمنا بر آئے یاد الٰہی
دل ہو نثارِ وارث جاں ہو فدائے وارث

(اصغر وارثی شاہجہان پوری)

محبت میں رقابت

''محبت میں رقابت ضرور ہوتی ہے۔''

سرکار وارث پاک کے اس قول کی روشنی میں دیکھنا یہ ہے کہ----محبت میں رقابت----کیوں ہوتی ہے----؟

بات یہ ہے کہ معشوق کی غیرتِ عشق یہ کبھی گوارہ نہیں کرسکتی کہ عاشق کسی اور پہ مرے ----کسی غیر کا دم بھرے۔

اس کا محبّ صرف اسی کا ہو کر رہے محبوب تو بس یہی چاہتا ہے کہ کسی غیر کا خیال تک دل میں نہ لائے----حتیٰ کہ عاشق کا یہ عالم ہو جائے کہ:

؎ میرا شوق کہ میں تجھ کو برملا دیکھوں
یہ میرا رشک کہ میں خود سے بھی چھپاؤں تجھ کو

اسی جذبے کے تحت سرکار وارث پاک فرمایا کرتے تھے:----

''عاشق کو ایک صورت کے سوا دوسری صورت حرام ہے۔''

ان پرزور الفاظ سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عاشق و معشوق کے درمیان کسی تیسری ہستی کو حائل نہیں ہونا چاہئے----عاشق و معشوق کے درمیان اگر کوئی تیسری ہستی آئے تو یقیناً ----''رقیب روسیاہ''----ہے----''شیطان لعین''----ہے جو عاشق کو معشوق سے جدا کر رہا ہے جب کہ وصلِ حقیقی کے لئے بقول وارث پاک، یہ ضروری ہے کہ:

''مرید اپنے پیر سے اس طرح ملے جس طرح قطرہ دریا سے مل جاتا ہے۔تو وہی قطرہ دریا ہو جاتا ہے----پھر اسے کوئی قطرہ نہیں کہتا----!''

ع ''قطرہ دریا ہے جو دریا میں فنا ہوتا ہے'' (بیدمؔ)

یہی قطرہ کی معراج ہے۔جیسا کہ سرکار وارث پاک فرماتے ہیں:----

''کمالِ عشق یہ ہے کہ عاشق سے معشوق ہو جائے۔''

لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے کہ محبت میں رقابت نہ ہو----مگر بقول وارث پاک رقابت تو ضروری ہوگی اس لئے عاشق جاں باز کو رقیب روسیاہ سے نپٹنے کے لئے ہر وقت تیار رہنا چاہئے کیونکہ راہِ محبت میں ہر ہر قدم پر شیطان مختلف چولے بدل بدل کر سامنے آتا رہتا ہے اور منزلِ مراد سے سالک کو بھٹکانے کی کوشش کرتا ہے مگر عاشقِ الٰہی محض توفیقِ الٰہی سے محفوظ رہتا ہے۔

اللہ اگر توفیق دے انسان کے بس کا کام نہیں
''فیضانِ محبت'' عام سہی ، ''عرفانِ محبت'' عام نہیں (جگر)

خوشبوئے گلزارِ وارثؒ

زمانہ ہوا ہے پرستارِ وارثؒ
یہ کیا کر گئی چشمِ سرشارِ وارثؒ
انہیں پر ہے فیضانِ سرکارِ وارثؒ
جو ہیں جان و دل سے طلبگارِ وارثؒ
مہک اُٹھے ہر سو محبت کے گلشن
برستا ہے ابرِ گہر بارِ وارثؒ
اُٹھو میکشو! آنکھ کھولو سحر ہے
صبا لائی خوشبوئے گلزارِ وارثؒ
مری زندگی میں بہار آ گئی ہے
میسر ہوا جب سے دیدارِ وارثؒ
مسلّم ہے مستی دو عالم میں ان کی
بڑی شان والے ہیں میخوارِ وارثؒ
سرِ حشر اک ہنگامہ برپا ہے نجمی!
چلے آ رہے ہیں گنہگارِ وارثؒ (نجمی برلاس)

وارث پیا! ڈوری چھوٹی جائے

ڈوری چھوٹی جائے ، وارث پیا.........ڈوری چھوٹی جائے
آس بھی ٹوٹی جائے ، وارث پیا ....

ایسی ابھاگن ہوں میں جگ میں
سونے کو گر ہاتھ لگاؤں
سونا مٹی بن جائے ! ....

وارث پیا ڈوری چھوٹی جائے
آس بھی ٹوٹی جائے وارث پیا
ڈوری چھوٹی جائے

موجِ بلا میں گھر گیا بیڑا
موت بنی موجوں کا تھپیڑا
لنگر ٹوٹا جائے ، وارث پیا ....

ڈوری...........................
آس بھی ....
وارث پیا ڈوری ....

"کاوشؔ" داسی پر بھی دیا ہو
دور مصیبت اور بلا ہو
قسمت پھوٹی جائے ....

وارث پیا ڈوری.............
آس بھی.......................
وارث پیا ڈوری...............

آفتاب آفتاب راست دلیل

وارث پاک کا سلسلۂ طریقت

سیدنا وارث پاک حسنی و حسینی ہونے کے باوصف اور رحمتِ الٰہی کے طفیل، شکم مادر ہی میں ولی کامل تھے، اور جذبہ عشق حقیقی لے کر پیدا ہوئے تھے------پھر اس میں عشق کامل کا اضافہ براہِ راست پنجتن پاکؑ کے فیض خاص سے ہوا تھا، چنانچہ اس دور کے صوفیاء کا مشہور قول ہے کہ:

''حاجی صاحب کے تو گھر کی کھیتی ہے، دونوں ہاتھوں سے لٹا رہے ہیں مگر اپنی تو گاڑھی کمائی ہے۔''

چنانچہ عشق کامل کے طفیل شروع ہی سے آپ نے پنجتنی فیض خوب لٹایا اور ہر خاص و عام کو فیض یاب فرمایا۔

اگرچہ لڑکپن میں بظاہر آپ کا تعلق ''سلسلۂ قادریہ رزاقیہ'' -----اور----- ''چشتیہ نظامیہ'' سے ضرور ہوا مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اپنے غلاموں کو بیعت کرتے وقت کبھی بھی ان سلسلوں کا ذکر تک نہ فرمایا اور نہ ہی دیگر سلسلوں کی طرح کبھی کسی بزرگ کا رسماً نام لیا بلکہ اپنے دستِ فیض اثر سے بیعت کرتے وقت آپ نے صرف اتنا ہی پڑھانا کافی سمجھا:

''ہاتھ پکڑتا ہوں پیر کا-----پنجتن پاکؑ کا-----خدا رسول کا-----!''

اس طرح آپ نے اپنے سارے مریدوں کو براہِ راست پنجتن پاکؑ کی پناہ میں لے لیا کیونکہ آپ کو نسبی طور پر خاتم الولایہ حضرتِ مولا علیؑ شیرِ خدا سے خاص ربطِ باطن تھا اور پنجتن پاک سے بڑی قوی نسبت تھی جو دیگر صوفیاء میں عام طور سے نہیں پائی جاتی، اسی وجہ سے آپ کی ظاہری و باطنی کیفیات میں بے پناہ جوش و اثر موجود تھا جس کی نظیر نہیں ملتی، یہ سب ''علوی مرتبت'' کا اظہار تھا۔

مرحبا اے گل گلزارِ رسولِ عربی
سارے عالم میں ہے روشن تری عالی نسبی

شجرے کی حقیقت

سیدنا وارث پاک حقیقی طور پر وارثِ ارث مرتضوی تھے، اسی لئے بیعت کرتے وقت جن فیض رساں ہستیوں کے نام پڑھوائے، بس یہی آپ کا شجرہ طریقت تھا۔

بیدمؔ یہی تو پانچ ہیں مقصودِ کائنات
خیرالنساءؑ ، حسینؑ و حسنؑ ، مصطفٰےؐ ، علیؑ

اسی لئے سرکار وارثِ پاک نے کسی بھی سلسلے کے شجرۂ طریقت کا بطور خاص کوئی خاص اہتمام نہ فرمایا اور نہ مرید کرتے وقت کسی کو کوئی شجرہ عنایت فرمایا اور نہ ہی آئندہ کسی کو بطورِ خاص کوئی شجرہ ورد کرنے کا حکم دیا بلکہ:

دلوں کو فکرِ دو عالم سے کر دیا آزاد
ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے

چونکہ آپ کا سلسلہ-----سلسلۂ عشق و محبت تھا اس لئے آپ نے شجرے کی حقیقت کا یوں انکشاف کیا:

''شجرہ وغیرہ ایک رسمی چیز ہے-----یہاں دل کے شجرے سے کام ہے۔''

بے شک دل کا شجرہ ہی اصل شجرہ ہے جو عشقِ الٰہی کے طفیل ہمیشہ سرسبز و شاداب رہتا ہے جس کی آبیاری انوارِ الٰہیہ سے ہوتی ہے اور ایسا کیوں نہ ہو کہ-----دل عرشِ الٰہی ہے۔

جو راہ معرفت میں کاروانِ دل قدم رکھے
تو ساری کائنات اڑ جائے گردِ کارواں ہو کر

اسی کاروانِ دل کے قافلہ سالار سیدنا وارثِ پاک ہیں جن کا مسلک ''عشق'' ہے اور جنہیں صرف-----''دل کے شجرے'' سے کام ہے۔

دستِ بیعت

یہ بات بڑے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ سیدنا وارث پاک کا دریائے فیض وعطا کبھی بھی-----دستِ بیعت-----کا محتاج نہ رہا، سرکار والا کی طبیعت کی افتادہی کچھ ایسی تھی کہ روحانیت کا یہ بحر بیکراں کسی پشتے اور بند کا پابند نہیں رہ سکتا تھا-----چنانچہ آپ نے اپنے انوار وبرکات کو کسی رسم وروایت کا غلام نہ بنایا بلکہ ہر جگہ آزادانہ فیض روحانی لٹایا-----چنانچہ اگر کبھی سفر کے دوران مرید ہونے والوں کا مجمع کثیر ہوگیا تو آپ نے کسی میدان میں اپنی پالکی رکھوادی اور اعلان فرمادیا کہ:

''جو پالکی چھولے، وہ ہمارا مرید ہے۔''

کسی مقام پر رسا ڈال دیا گیا-----اس کا ایک سرا خود آپ نے تھام لیا اور فرمادیا کہ:

''جو اسے پکڑ لے وہ ہمارا مرید ہے۔''

اور اس سے بڑھ کر یہ کہ جہاں لاکھوں کا مجمع جوشِ عقیدت میں بے قابو ہوگیا تو طالبین کو ایک محبت بھری نگاہ سے آپ نے دیکھ لیا اور فرمادیا:

''تم سب ہمارے مرید ہو۔''

اور لطف یہ کہ ہر شخص نے اپنے ظرف کے مطابق اسی ایک نظر میں سب کچھ پالیا اور مطمئن ہوگیا۔

بیعتِ اویسی

حضرت اویس قرنیؓ نادیدہ طور پر محبوبِ خدا کے عاشق ہوئے اور رسالت پناہ سے غائبانہ طور پر پورا پورا باطنی فیض حاصل کیا۔

سرکار وارث پاک نے بھی طالبانِ حق کو بہ طریقۂ بیعت اویسیت کبھی کسی کی وکالت یا خط کے ذریعہ داخل سلسلہ فرمایا اور پورا پورا فیض پہنچایا-----اور روحانی طور پر آج بھی آپ کا

فیضِ باطنی عام ہے، چنانچہ بطریق اویسی آپ کا سلسلۂ بیعت----محبت----کے واسطے آج بھی جاری ہے اور قیامت تک جاری وساری رہے گا۔

بیعتِ رضوان

پارہ ۲۶ سورۂ فتح میں بیعتِ رضوان کا ذکر موجود ہے جس میں حضورِ پاک ﷺ نے خود اپنے ایک ہاتھ کو حضرت عثمان بن عفانؓ کا ہاتھ قرار دیا اور پھر اپنے ہی دوسرے ہاتھ پر خود اپنا ہاتھ رکھ کر ان کی جانب سے خود بیعت کی حالانکہ خود حضرت عثمانؓ اس وقت غیر حاضر تھے مگر فیضانِ محمدیؐ نے صحابیِ غیر موجود کو بھی محرومِ بیعت نہ رکھا----اسی سنت پر سرکار وارث پاک نے عمل کرتے ہوئے عشقِ الٰہی کے طفیل اپنے عاشقانِ دور افتادہ کو بھی باطنی فیوض سے سرفراز فرمایا۔

خواب کی بیعت

سرکار وارثِ پاک نے اکثر بیدار بختوں کو عالمِ خواب میں شرفِ بیعت سے سرفراز فرمایا، بعد میں جب ایسے بیدار بخت مرید سرکار میں حاضر ہوئے تو سرکارِ والا نے تجدید بیعت کی بھی ضرورت محسوس نہ کی بلکہ فوراً خواب کی بیعت کی توثیق کردی اور صاف صاف فرمایا:

"تم تو پہلے ہی مرید ہو چکے ہو۔"

چنانچہ ۱۳۲۰ھ میں بمبئی کے مشہور تاجر سیٹھ عبدالرحمٰن نے سرکار وارث پاک سے عالمِ خواب میں شرفِ بیعت حاصل کیا، بیدار ہوئے تو دل پر عجیب کیفیت طاری تھی، صورتِ شیخ دل پر نقش تھی مگر شیخ کا نام پتہ معلوم نہ تھا، آخر سیٹھ صاحب نے محلے کی مسجد کے امام صاحب سے اپنے خواب کا ذکر کیا اور حضرت کی وضع قطع اور لباس کی تفصیل بتائی، مسجد کے امام عبدالعزیز صاحبؒ خود بارہ بنکی کے رہنے والے تھے، فوراً پہچان گئے اور فرمانے لگے کہ اس شان کے بزرگ تو -----حاجی وارث علی شاہ صاحبؒ-----ہیں، سیٹھ صاحب کے دل میں آتشِ شوق بھڑک اٹھی تھی، فوراً پیش امام صاحب کو ہمراہ لے کر دیوہ شریف روانہ ہوگئے۔ جب بارگاہِ عالی میں حاضر

ہوئے تو سرکار نے دیکھتے ہی فرمایا:

''تم تو مرید ہو چکے ہو---- پھر اس قدر دور دراز کے سفر کی کیا ضرورت تھی؟

----''

عشقِ الٰہی میں فنا ہو جانے کے سبب سرکار وارثِ پاک زندۂ جاوید ہو گئے ہیں۔ چنانچہ پہلے کی طرح آج بھی اپنی بے پناہ روحانی قوت سے جس کو چاہتے ہیں، خواب میں بیعت کا اعزاز عطا فرماتے ہیں۔ یہ فیضِ بیعت جس طرح آج جاری ہے، بفیضِ ایزدی اسی طرح قیامت تک جاری وساری رہے گا۔

جسے دیکھو ہے پروانہ مرے مخدوم وارث کا

جو پی لے ایک پیمانہ مرے مخدوم وارث کا
رہے تا حشر دیوانہ مرے مخدوم وارث کا
بہارِ عید آئی ہے، خدایا اپنی رحمت سے
بنا دے مجھ کو مستانہ مرے مخدوم وارث کا
سلاطینِ زمن آ کر جہاں گردن جھکاتے ہیں
ہے وہ بسترِ فقیرانہ مرے مخدوم وارث کا
ہے بزمِ دہر میں شمعِ جمالِ وارثی روشن
جسے دیکھو ہے پروانہ مرے مخدوم وارث کا
گیا جو در پہ سائل وہ کبھی خالی نہیں پھرتا
ہے وہ دربارِ شاہانہ مرے مخدوم وارث کا
اجل تجھ کو سلانا ہے اگر منظور اکبرؔ کو
سنا دے کوئی افسانہ مرے مخدوم وارث کا

(خواجہ محمد اکبر وارثی میرٹھی)

گاگر شریف

وارثِ اولیاء کی گاگر ہے
قائد اصفیاء کی گاگر ہے
قدسیوں نے سجائی ہے سر پر
نورِ رب العلیٰ کی گاگر ہے
پیشوا آئے پیشوائی کو
سرورِ اولیاء کی گاگر ہے
جیسے روشن ہو چودھویں کا چاند
ایسی اس مہ لقا کی گاگر ہے
شیشۂ دل نہ کیوں منور ہو
مہرِ صدق و صفا کی گاگر ہے
دردِ دل کا علاج ہے اس میں
یعنی آبِ شفا کی گاگر ہے
پیشِ ساقیٔ کوثر و تسنیم
تشنگانِ وفا کی گاگر ہے
قتل، پیاسے لبِ فرات ہوئے
شاہِ گلگوں قبا کی گاگر ہے
اس میں آبِ حیات ہے کاوشؔ
شاہِ ملکِ بقاء کی گاگر ہے

حقیقی بیعت

سرکاروارثِ پاکؒ کی توجہ رسمی بیعت کی طرف تھی ہی نہیں بلکہ آپ کا مقصودِ دلی تو حقیقی بیعت سے سرفراز کرنا تھا جس کا تعلق دل سے ہے چنانچہ دل کی بنیادی حیثیت پر زور دیتے ہوئے آپ نے تلقین فرمائی:

''ہاتھ پکڑنے سے کیا ہوتا ہے-----دل پکڑو -----!''

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو سرکاروارث پاکؒ کو دل سے چاہتا ہے بس وہی آپ کا سچا مرید ہے-----خواہ اس نے بیعت کی ہو یا نہ کی ہو-----!

اسی لئے تو آپ باربار فرمایا کرتے تھے:

''ہمارے ہاں چمار ہو یا خاکروب-----جو ہم سے ''محبت'' کرے وہ ہمارا ہے۔''

بس معلوم ہوا کہ آپ کے یہاں شرطِ بیعت-----''محبت'' ہے۔ محض دستِ بیعت نہیں کیونکہ خالی خولی دستِ بیعت کرنے سے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

سب وارثیوں کا ایک وارث

سرکاروارث پاک کا قولِ مشہور ہے کہ:

''ہمارا مشرب ''عشق'' ہے جس میں انتظام-----حرام ہے-----!''

چنانچہ سرکاروارث پاک نے اپنے سلسلۂ عشق ومحبت میں کسی قسم کا انتظام روانہ رکھا -----چنانچہ نہ-----سجادگی-----کا اہتمام کیا نہ-----خلافت-----کا انتظام فرمایا۔ اس طرح اپنی ذات اور اپنے مریدوں کے درمیان کسی تیسری ہستی کو حائل نہ ہونے دیا -----صرف-----''محبت''-----کو واسطہ بنا دیا۔

ع بس اتنا رہ گیا ہے فرق باقی
محبت میرے ان کے درمیاں ہے (قیصر افغانی)

محبت کا خاصہ ہے کہ جس سے ہوتی ہے اس کا بہت ذکر کرتا ہے، چنانچہ سرکار وارث پاک کا ذکر اذکار ہی ایک سچے وارثی کا تکیہ کلام اور وظیفۂ حیات ہونا چاہئے-----(کسی احرام پوش کا کوئی مذکور نہیں)

زبان ، دہن میں ہے جب تک ترا ہی نام رٹوں
مروں تجھی پہ میں جب تک یہ جان تن میں رہے

اس سلسلے میں سرکار وارث پاک نے فرمایا کہ:-----

''عاشق جو کچھ معشوق کی نسبت کہے وہ بجا ہے اور جو تعظیم کرے وہ سزاوار ہے-----''

لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی سمجھا دیا کہ:-----

''معشوق جو کچھ عاشق کی نسبت کہے وہ مقامِ تسلیم ورضا ہے۔''

تو اے عاشقانِ وارث تمہارے محبوب وارث پاک کا یہ کہنا ہے کہ:-----

''سوائے یار کسی سے سروکار نہیں۔''

سراپا بیدم نیاز ہوں میں ، غلامِ شاہِ حجاز ہوں میں
ہے کوچۂ یار میری جنت میں وارثی ہوں میں وارثی ہوں

چنانچہ ہر حال میں یار ہی سے سروکار رہے-----ہر وقت شرابِ وارثی کا خمار رہے۔

تیری چوکھٹ پہ سر رکھ کر قیامت تک نہ اٹھ پائے
کسی بیمارِ فرقت کو نقاہت ہو تو ایسی ہو

سرکار وارث پاک ہی تمام وارثیوں کے وارث ہیں.....انہیں سے سروکار رہے چنانچہ خود فرماتے ہیں:----- ''جب کوئی مصیبت پڑے تو ہمارا تصور کرو۔''

(یہ کہیں نہیں فرمایا کہ کسی احرام پوش کا تصور کرو)-----کیونکہ:-----''سوائے یار کسی سے سروکار نہیں۔''

رہیں غوطہ زن تیری یاد میں یہی پاک بازوں کا غسل ہے
تجھے سجدہ کرلیں خیال میں، کہ یہاں پہ شرط وضو نہیں

عاشق کا جانشین وخلیفہ

سرکار وارث پاک کی محفلِ حسن وعشق میں جب کبھی خلافت و جانشینی ....کا ذکر چل نکلتا اور کوئی پوچھ بیٹھتا ہے کہ-----آپ کے بعد آپ کا خلیفہ کون ہوگا-----؟-----تو آپ جواباً پوچھتے:

''مجنوں کا خلیفہ کون تھا؟''

یہ سن کر لوگ لاجواب ہوجاتے تو پھر آپ سمجھاتے کہ:

''عشق میں خلافت نہیں ہوتی۔''

''ہماری منزل عشق ہے-----!''

''عشق ایک وہبی چیز ہے-----!''

''عشق پر کسی کا زور نہیں-----!''

''اس کی کوئی تدبیر نہیں-----!''

''یہ ایک بے اختیار چیز ہے-----!''

''یہ آتشِ سوزِ جگر ہے-----!''

''چونکہ یہ منزل دشوار گذار ہے اس لئے طالب اس رستے کو مشکل سے پسند کرتے ہیں-----!''

اسی لئے:۔

''فقیر کم اور مشائخ زیادہ ہوتے ہیں!''

حضرات مشائخ عظام کے سلسلوں کے بارے میں آپ فرمایا کرتے تھے:

''وہ طریقے سب انتظامی ہیں اگر انتظام نہ ہوتو سب کھیل ہی بگڑ جائے-----!''

لیکن خاص اپنے مسلک کے بارے میں فرماتے تھے کہ:

''ہمارا مشرب عشق ہے جس میں انتظام حرام ہے-----!''

اس لئے آپ نے اپنے یہاں کسی قسم کا انتظام روا نہ رکھا..... نہ کوئی اپنا جانشین مقرر کیا اور نہ ہی کوئی خلیفہ متعین فرمایا----- بلکہ ہر محبت کرنے والے دل کو قیامت تک کے لئے اپنا خلیفہ و جانشین بنا دیا-----! اس طرح وسیع پیمانے پر تمام عاشقوں کو اپنا لیا----- اور نہ صرف اپنا لیا----- بلکہ اپنے رنگ میں رنگ کر----- اپنا سا بنا لیا ''من تو شدم تو من شدی''----- والا معاملہ ہو گیا۔ یعنی

؎ کچھ اور ہی اب صورتِ حالات کہے ہے
جو مجھ سے ملے ہے وہ تیری بات کہے ہے

خلافت، جانشینی اور سجادگی کا خاتمہ

۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء میں سرکار وارث پاک نے قاضی بخش علی صاحب وارثی کو حکم دیا کہ کاغذ اور قلم دوات لاؤ----- اور لکھو کہ:

''ہماری منزل عشق ہے جو جانشینی کا دعویٰ کرے وہ باطل ہے۔ ہمارے یہاں کوئی چمار ہو یا خاکروب، جو ہم سے محبت کرے وہ ہمارا ہے-----!''

حاضرین کی تصدیق کے ساتھ یہ تحریر آپ نے سب کے روبرو خادم کو دے کر فرمایا:

''اگر کوئی شخص اس کی نقل مانگے تو اسے دے دینا''

چنانچہ اس طرح سلسلہ وارثیہ میں ''خاندانی خلافت''----- ''نسبی جانشینی اور پشتینی سجادگی'' کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا-----!

یہ عمل بھی عین سنت کے مطابق ہوا کیونکہ خود سید المرسلین ﷺ نے بھی----- ''خلافت النبی'' کا سلسلہ ''نسبی سلسلے'' میں منتقل نہیں فرمایا۔

اگست ۱۹۱۵ء میں جسٹس سید شرف الدین صاحب نے ڈسٹرکٹ جج لکھنؤ کی عدالت

میں یہی نقل پیش کر کے آستانہ عالیہ وارثیہ کو سجادگی سے مبرا کرا کے، وقفِ عام کا فیصلہ حاصل کر لیا -----جو آج تک بحال ہے!

غرضیکہ آپ نے اپنے لامحدود و لازوال انوار و برکات کو کسی رسم و روایت کا پابند نہ بنایا بلکہ ہر ہر طرح سے فیضِ روحانی لٹایا۔

چنانچہ کسی ایک شخص کی ذات میں اپنی سجادگی کو محدود نہ کیا اور نہ ہی چند شخصیتوں کو اپنی خلافت کا حقدار ٹھہرایا بلکہ-----نہایت وسیع پیمانے پر آپ نے ہر محبت کرنے والے دل کو اپنا روحانی جانشین قرار دے کر اپنی باطنی خلافت کا حقدار ٹھہرایا-----چنانچہ فرمایا:

''جو ہم سے محبت کرے وہ ہمارا ہے-----''

دلِ ہر قطرہ ہے سازِ انا البحر
ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا؟ (غالب)

قلبِ مضطر

نہ گجرا ہے، نہ گاگر ہے، نہ چادر لے کے آیا ہوں
حضور شاہ وارث، قلبِ مضطر لے کے آیا ہوں
نہ دولت کی، نہ کچھ میں خواہشِ زر لے کے آیا ہوں
مئے عرفاں کی خاطر، دل کا ساغر لے کے آیا ہوں
اشارہ ہو تو جان و دل کروں قربان قدموں پر
غریبی میں بھی دل اپنا تونگر لے کے آیا ہوں
مئے توحید سے بھر دے تو سرمستِ الست اس کو
ترے میخانۂ عرفاں میں ساغر لے کے آیا ہوں
بھروسہ ہے نگاہِ لطفِ وارث کا مجھے بے حد
تمنائیں اسی کے ساتھ اصغرؔ لے کے آیا ہوں (اصغر شاہجہاں پوری)

وارثی تصرفات

اگر چہ سرکارِ وارث پاک نے اپنے احرام پوش درویشوں کو یہ مجاز بخشا ہے کہ وہ سرکار کے نام پر مرید کر سکتے ہیں لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہئے کہ سرکار عالم پناہ-----کا فیض بے پایاں محض احرام پوش فقراء کے-----دستِ بیعت-----ہی میں محدود ہو کر رہ گیا ہے -----نہیں ہرگز نہیں! بلکہ سرکار عالی وقار کے فیوض و برکات تمام قیود و حدود سے یکسر آزاد ہو کر بالکل اسی طرح جس طرح زمانۂ حیات میں لامحدود و لازوال تھے، آج بھی آپ کے حسنات و برکات اپنی فیض رسانی میں بے مثال ولازوال ہیں، کیونکہ عاشق کبھی نہیں مرتا بلکہ معشوقِ حقیقی کے عشق میں فنا ہو کر زندۂ جاوید ہو جاتا ہے-----اس کی روحانی طاقت بڑھ جاتی ہے بلکہ وصالِ حق کے بعد فقیر کے روحانی تصرفات کا دائرہ وسیع ہو کر کائنات پر محیط ہو جاتا ہے۔(انتہا یہ ہے کہ خود مولوی اشرف علی تھانوی اعتراف کرتے ہیں کہ:۔ ''بعض اولیاء اللہ سے بعد انتقال کے بھی تصرفات و خوارق سرزد ہوتے ہیں اور یہ امر معنے حدِ تواتر تک پہنچ گیا ہے۔'' [النخب: ص ۱۷]۔ پیشوائے علمائے دیوبند مولوی رشید احمد گنگوہی اس پر مزید اضافہ کرتے ہیں:۔ ''تصرفات و کراماتِ اولیاء اللہ بعد ممات بحالِ خود باقی میمانند بلکہ در ولایت بعد موت ترقی می شود۔'' [تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۲۵۲])

اے ذوقِ دید مژدہ کہ لیلائے رنگ و بو
چٹکی میں ہے نقاب کا گوشہ لئے ہوئے

چنانچہ رویائے صادقہ کے ذریعے سرکارِ والا کی تربیت کا فیض قیامت تک جاری و ساری رہے گا، بے شمار بیدار بخت آج بھی عالمِ خواب میں فیض یاب ہو رہے ہیں اور ہمیشہ ہوتے رہیں گے، علاوہ ازیں آپ ہر وارثی کو پہلے ہی یقین دلا چکے ہیں کہ پوشیدہ طور پر آپ پردۂ غیب میں اپنے ہر مرید کے محافظ ہیں، چنانچہ آپ کا قول ہے کہ:

''جس مرید کو اپنے اعتقاد سے زیادہ پیر سے عقیدت ہوتی ہے اس کا پیر غیبت میں بھی

اس کا محافظ ہوتا ہے۔"

اب اس یقین دہانی کے باوجود اگر کوئی وارثی خود اپنی ذات سے وارث پاک کو دور سمجھتا ہے تو یہ خود اس کا قصور ہے("اگرچہ مرید اپنے پیر سے دور بھی ہو لیکن وہ اپنے پیر کی روحانیت سے دور نہیں چنانچہ ہر وقت اپنے پیر کو(تصورِ شیخ کے ساتھ) رکھے،اس طرح اس سے فیض اٹھاتا رہے کیونکہ مرید بہرحال اپنے مرشد کا محتاج ہوتا ہے۔"[امداد السلوک فارسی از مولوی رشید احمد گنگوہی])-----اس سلسلے میں

نا فہمی اپنا پردہ ہے دیدار کے لئے
ورنہ کوئی حجاب نہیں یار کے لئے

خود وارثِ پاک کا فرمان ہے کہ:

"جو مرید اپنے پیر کو دور سمجھتے وہ مرید ناقص ہے-----!"

کیونکہ پیرِ کامل اپنے مرید کو کبھی تنہا نہیں چھوڑتا،اسی لئے آپ کا قولِ صادق ہے کہ:

"جو پیر اپنے مرید سے دور ہے وہ پیر ناقص ہے-----!"

ان یقین دہانیوں کے ساتھ ساتھ-----سرکار سیدنا وارث پاک کے لامحدود و لازوال تصرفات کی ایک ادنیٰ مثال یہ خط ہے جو ایک وارثی کی حقیقت حال کا غماز ہے----- موصوف حاجی اوگھٹ شاہ وارثی صاحب کو لکھتے ہیں کہ:

"چار یوم ہوئے کہ جناب توکل شاہ صاحب کے مرشد زادے میاں خالق داد صاحب جھجرولی تشریف لائے،حسبِ معمول شام کو نماز مغرب کے بعد مریدوں کو توجہ دینے کے لئے حلقہ میں بٹھایا.....وہ خوب جانتے تھے کہ میں وارثی ہوں اور خود میرے منہ سے سیدنا وارث پاک کی تعریف و توصیف بھی سن چکے تھے مگر پھر بھی انہوں نے مجھے حلقہ میں لے لیا۔

ان کی غرض مجھے پاس بٹھانے سے خواہ کچھ بھی ہو لیکن میں ان مریدوں کو ان کی توجہ میں گرتے دیکھ چکا تھا اسی لئے میرے ذہن میں یہ آیا کہ اس وقت مجھے حلقہ میں لینے سے مقصد

ان کا مجھے گرا کر اپنا کمال دکھانے کے سوا اور کچھ نہیں لہٰذا جب مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ اب میں بھی گرایا جاؤں گا تو میں نے فوراً اپنے خیال کو مرشدِ پاک کی طرف مبذول کر کے تصور کو مستحکم کیا----- چونکہ سیدنا وارث پاک ہر جگہ جلوہ گر ہیں اس لئے سرکار کی ایسی عنایت شاملِ حال ہوئی کہ اس وقت تصور ایسا مستحکم ہوا کہ اس سے پہلے ایسا کبھی نہ ہوا تھا----- یہ عام کرامت سرکار وارث پاک کی ہے کہ جہاں کوئی مجبور فریاد کرتا ہے، آپ فوراً مدد کو پہنچتے ہیں-----اس سے بڑھ کر میرے حال پر یہ لطف وکرم ہوا کہ میری حالت ہی بدل گئی، جب میں اپنے تئیں خیال کرتا تھا شکل وصورت میں خود کو سرکار وارث پاک پاتا تھا۔ (دیو بندی مکتب فکر کے جید عالم مولوی اشرف علی تھانوی بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ "اصحابِ نفوسِ قدسیہ جس قالب میں چاہیں اور جہاں چاہیں بیک وقت حاضر ہو سکتے ہیں۔" [مواعظ الاشرفیہ])----- یہ کچھ بے ہوشی کی بات نہیں بلکہ میں نے اپنے آپ کو بار بار تعجب سے دیکھا-----اور خوب غور سے دیکھا----کہیں سے ہاتھ پاؤں، قد و قامت وغیرہ میں مطلق فرق نہ پایا بلکہ اپنے آپ کو ہو بہو سیدنا سرکارِ وارثِ پاک پایا۔ اس سے نیاز مند کو اس قدر لطف حاصل ہوا کہ اس سے قبل کبھی نہ ہوا تھا۔

اب میرے ناقص خیال میں تو اس کا سبب یہ آتا ہے کہ جب مجھے اس وقت اپنے گرائے جانے کا خوف ہوا اور سرکار سے مدد کا طالب ہوا تو سیدنا وارث پاک کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا کہ ان کے نام لیوا کی فضیحت ہو لہٰذا اسی وقت دستگیری فرمائی-----بس پھر تو یہ عالم ہوا کہ خود وہ میاں صاحب ہی میری طرف متوجہ ہو کر بیٹھے رہے مگر اس دن سے نہ صرف مجھ پر بلکہ ان کے کسی مرید پر ان کی توجہ کا کچھ اثر نہ ہو سکا، آخر ہار کر یہ کہتے ہوئے انہوں نے اپنا حلقہ برخاست کر دیا کہ: "تمہارے شیخ بڑے عالی مقام اور ساداتِ عظام ہیں اور نسبت بھی بہت زیادہ پڑتی ہے-----!" سبحان اللہ!

نیاز مند: محمد شریف وارثی، ۲۲ جون ۱۹۰۵ء، جھجرولی ضلع انبالہ

(ضیافت الاحباب از اوگھٹ شاہ وارثی)

ایسی روشن مثالوں کی موجودگی میں بھلا اب کون وارثی ہوگا جو اپنی ذات سے سرکار وارث پاک کو وردِ مستور سمجھے گا۔

؎ کس طرح میں تجھے مردہ کہوں ، مردہ سمجھوں
تجھ سے زندہ ہوں ، ترے ساتھ ہی میں زندہ ہوں

اور ایسا کیوں نہ ہو کہ----موت----ایک نقص ہے مگر:

''سچا مرید وہی ہے جو پیر کی بارگاہ کو نقائص سے پاک سمجھے۔''

(قولِ وارث: مشکوٰۃ حقانیہ)

چنانچہ ہر وارثی اپنے جملہ حالات پر سرکار وارث پاک کو مطلع جانے بلکہ اپنے لئے تمام فیوض و برکات کا سرچشمہ سمجھے اور دل سے یقین کرے کہ آپ کے روحانی تصرفات لامحدود ولازوال ہیں، مشکل کے وقت آپ اپنے ہر مرید کے حامی و مددگار رہیں۔

جمالِ وارثی

رونق افزا دہر میں دیوہ کا میخانہ رہے
تا قیامت دور میں وارث کا پیمانہ رہے
فیض تیرے در کا اتنا پیرِ میخانہ رہے
تیرے مستوں کو جو دیکھے وہ بھی مستانہ رہے
چشمِ باطن میں نظر آئے جمالِ وارثی
نورِ الفت سے جو روشن دل کا کاشانہ رہے
وارثی کہلائے دنیا میں سدا تیرا غلام
اتنی نسبت سے گدا کو فخر شاہانہ رہے
عرض ہے باسطؔ کی اتنی اے شہنشاہِ جہاں
بندۂ ناچیز پر بھی لطفِ شاہانہ رہے (باسطؔ بسوانی)

جس کی تعلیمات سے پایا محبت نے فروغ
اس عظیم انساں کو گلہائے عقیدت اور سلام

مناجات

یا خدا قادر و قدیر ہے تو
ناتواں کا دستگیر ہے تو
اپنے عزم و کمال کا صدقہ
اپنی شانِ جمال کا صدقہ
اپنے پیارے رسولؐ کا صدقہ
باغِ وحدت کے پھول کا صدقہ
چار یارانِ باصفا کا طفیل
کل شہیدانِ کربلا کا طفیل
حضرتِ غوثِ پاک کا صدقہ
ان کے قدموں کی خاک کا صدقہ
خواجۂ ہند الولی کے صدقہ میں
نورِ چشم علی کے صدقہ میں
خواجۂ خواجگان کا صدقہ
قطبِ ہندوستان کا صدقہ
خواجہ محبوب الٰہی کا طفیل
پیارے مخدوم کلیری کا طفیل

میرے وارث کی خاکِ پا کا طفیل
سرمۂ چشمِ اصفیاء کا طفیل
رحم کر مجھ پہ اے کریم میرے
قائم و دائم و قدیم مرے
تیرے دیدار کا ندیدہ ہوں
ناتواں ہوں الم رسیدہ ہوں
کاسۂ آرزو مرا بھر دے
اپنے ذرے کو ماہ رو کر دے
مرحمت کر مجھے دلِ مسرور
جو تیری یاد سے رہے معمور
تجھ پہ مرتا رہوں میں جینے میں
مر رہوں مکے یا مدینے میں
اب بجز اس کے اور نہ ہو کچھ کام
تجھ کو سجدے ، ترے نبی کو سلام
عمر ، مداحِ نبی میں کٹے
ہر گھڑی یادِ وارثی میں کٹے
ہاتھ پھیلائے ہے ترا محتاج
رکھ لے اس ہاتھ پھیلنے کی لاج
تیرا بیدمؔ ہوں تیرا بندہ ہوں
تیرے دروازے سرفگندہ ہوں

(بیدمؔ شاہ وارثی)

ہیں لاکھوں کفن بردوش

ہر لمحہ تصور میں وارثؒ تیری صورت ہے
ہر عاشقِ صادق کو کافی تیری سیرت ہے
ناکامِ زمانہ کو ، ناکارہ ، پریشاں کو
ہر پیکرِ خستہ کو کافی تیری نصرت ہے
رکھے تُو کسی خضر و مسیحا پہ نظر کیوں
اُس شاہِ شہنشاں سے لکھی تیری نسبت ہے
ہیں لاکھوں حسیں توبہ شکن ، صاحبِ خوبی
ہر ایک پہ حاوی بس وارثؒ تیری سطوت ہے
میخانۂ وارثؒ میں ، بٹتی ہے مئے وحدت
دیتے ہیں سرِ عام وہ ، آگے تیری قسمت ہے
اِک میں ہی نہیں تنہا ، سرشارِ رُخِ وارثؒ
ہیں لاکھوں کفن بر دوش یہ تیری کرامت ہے
راشدؔ وہ خطا پوش ہیں آؤ درِ وارثؒ پر
دیوہ میں تیرے رب نے بسائی تیری جنت ہے

(راشد عزیز وارثی)

سلام حضوری

سلام اے ساقیِ مستاں سلام اے پیرِ میخانہ
سلام اے مرشدِ پاکاں امامِ بزمِ رندانہ
سلام اے جلوۂ جاناں سلام اے حسنِ جاناں
تجلی حرم اے زینتِ ایوانِ بت خانہ
سلام اے شیخِ لاثانی ، سلام اے مرشدِ دوراں
سلام اے کنزِ عرفانی ، سلام اے مصدرِ عرفاں
سلام اے خسروِ خوباں ، سلام اے مجمعِ خوبی
سلام اے تاجِ محبوباں ، سلام اے جانِ محبوبی
سلام اے پیشوا وارث ، سلام اے رہنما وارث
امیر المومنین وارث ، امام الاولیاء وارث
سلام اے مرتضیٰ صورت ، سلام اے مصطفیٰ سیرت
سلام اے ہادئ دیں ، سلام اے مہدی ملت
سلام اے سروِ بستانِ بہارِ ہر گلستانے
سلام اے نورِ یزدانے ، سلام اے پنجتن شانے
جبینِ شوق ہو میری تمہارا آستانہ ہو
ادا شام و سحر یونہی صلوٰۃِ پنجگانہ ہو
سلام اے چارۂ بیدمؔ ، علاجِ سوزِ پنہانی
سلام اے مونسِ بیدمؔ طبیبِ دردِ روحانی

(قبلہ بیدم شاہ وارثیؒ کا پیش کردہ یہ سلام آج بھی روزانہ سرکار کی بارگاہ میں پیش ہوتا ہے۔)

ماخذِ کتاب

☆ تحفۃ الاصفیاء: منشی خدا بخش شائق دریا آبادی

☆ رسالہ تجلی عشق سید عبدالآد شاہ مطبع غوثیہ کلکتہ ۱۸۸۳ء

☆ عین الیقین ایضاً: شرف پریس بہار ۱۸۹۴ء

☆ وسیلۂ بخشائش: مرزا قاسم جان مرزا پوری ۱۹۰۴ء

☆ گلدستۂ وارثی: بیدم شاہ وارثی اٹاوی مطبع الٰہی آگرہ ۱۹۱۱ء

☆ ضیافت الاحباب کلیات مکتوبات: حاجی اوگھٹ شاہ وارثی، اصح المطابع لکھنؤ، ۱۹۱۲ء

☆ رسالہ صحیفۂ وارث: دیوہ شریف ۱۹۱۲ء تا ۱۹۲۴ء

☆ حیاتِ وارث: مرزا منعم بیگ فتح پوری گورکھپور ۱۹۱۴ء

☆ مشکوٰۃِ حقانیہ المعروف معارف وارثیہ: مولوی شیخ فضل حسین الوارثی اٹاوی بانکی پور ۱۹۱۹ء

☆ تسلیم پنجگانہ: حاجی اوگھٹ شاہ وارثی اصح المطابع لکھنؤ اگست ۱۹۲۰ء

☆ شہاب ثاقب موسوم بہ ردِ کفر: حاجی اوگھٹ شاہ وارثی ایضاً ۱۹۲۳ء

☆ منہاج العشقیہ فی ارشاد الوارثیہ: محمد ابراہیم بیگ شیدا وارثی لکھنوی، ایضاً ۱۹۲۴ء

☆ افضال وارث المعروف تمہیدِ عشق: ایضاً فیض احمد پریس لکھنؤ

☆ خلاصۃ السلوک: محمد ابراہیم بیگ شیدا وارثی لکھنوی مطبع اصح المطابع لکھنؤ

☆ رسالہ رشحات الانس: حاجی اوگھٹ شاہ وارثی

☆ ریاض اکبر: خواجہ محمد اکبر وارثی میرٹھی

☆ حیاتِ وارث: محمد ابراہیم بیگ شیدا وارثی لکھنوی

☆ رسالہ تعارف: حضرت بیدم شاہ وارثی اٹاوی شمسی مشین پریس آگرہ

☆ مصحف بیدم: ایضاً استقلال پریس لاہور ۱۹۳۵ء

☆ ندائے غیبی: حضرت محبوب شاہ وارثی ہندی العربی، ضیاء برقی پریس کراچی ۱۹۴۰ء
☆ انوارِ اولیاء (کامل): رئیس احمد جعفری ندوی شیخ غلام علی اینڈ سنز چوک انارکلی لاہور ۱۹۶۵ء
☆ پیغامِ اتحاد: ''حیاتِ''وارثی نظامی پریس لکھنؤ ۱۹۷۴ء
☆ تذکرہ وارث: شہاب چشتی صابری اکبرآبادی خورشید بک ڈپو پروانہ روڈ دلی نمبر ۵۱
☆ فیضانِ محبت: راشد عزیز وارثی (غیر مطبوعہ)

اپنے وارثؒ کے صدقے

وارثِ دستگیر کے صدقے
مرشدِ بے نظیر کے صدقے
مجھ سے ناچیز کو کیا مقبول
لاکھ بار ایسے پیر کے صدقے

(سید بے نظیر شاہ وارثی)

وارثِ کارساز کے صدقے
مرشدِ بے نیاز کے صدقے
ہم فقیروں کو سر بلند کیا
ایسے ذرہ نواز کے صدقے
میری حیرتؔ انہیں کا صدقہ ہے
اپنے آئینہ ساز کے صدقے

(فقیر حیرتؔ شاہ وارثی)

وما علینا الا البلاغ المبین

تمت

آفتاب ولایت

کسی شاہکار تخلیق کی تعریف وتوصیف اور وہ بھی اس انداز سے کہ ایک یادگار کارنامہ اور شاہکار فن پارہ بن جائے، انتہائی کٹھن اور مشکل کام ہے...... دنیا بھر میں آج تک مشاہیر، کہ جنھوں نے زندگی کے مختلف شعبوں میں بنی نوع انسان کی فلاح اور تہذیب کی تشکیل کے لئے کسی نہ کسی سطح پہ کوئی کارنمایاں سرانجام دیئے، انکی بے شمار سوانح عمریاں تحریر کی گئیں لیکن قبولیت عامہ کی سند ان میں سے فقط چند ایک کو ہی حاصل ہو سکی۔

اگر بنظر غائر کسی بھی سوانح حیات کی مقبولیت کا بنیادی سبب تلاش کیا جائے تو فقط ایک ہی نقطہ سامنے آئیگا اور وہ ہے جذبۂ عشق ومحبت ...... خالق نے اپنے شاہکار محبوب کی خاطر جب اس کائنات کی تخلیق فرمائی تو اس کے ذرے ذرے کو اپنے محبوب کی نسبت سے شاہکار بنا دیا...... گویا اپنے محبوب کی تعریف کی اور وہ بھی اس احسن ترین انداز میں کہ پروردگار عالم کی سنت ٹھہری اور اصول یہ قرار پایا کہ جو بھی اس قاعدے پر عمل پیرا ہوگا اس تخلیق کو شرف قبولیت کی سند سے نوازا جائیگا...... دنیا کی کوئی بھی تخلیق جسے شاہکار قرار دیا جا سکتا ہے، خواہ اس کا تعلق حقیقت سے ہو یا مجاز سے، اس کا جائزہ لیں تو اس میں محبت کا عنصر کہیں نہ کہیں ضرور کارفرما نظر آئیگا۔ دراصل یہ ایک ایسا عنصر ہے کہ جس وجود میں سما جائے اسے ہمیشہ کے لئے امر کر دیتا ہے۔

سرکار حضور عالم پناہ سیدنا حافظ حاجی وارث علی شاہ قدس سرہٗ العزیز کے احوال وارشادات پہ آج تک جتنی بھی کتب لکھی گئیں وہ سب کی سب شاہکار تو ہیں ہی لیکن ان سب کا نچوڑ اور عطر ''آفتاب ولایت'' ہے۔ جناب پروفیسر فیاض کاوش وارثی نے جس دلکش انداز میں اپنی عقیدت کا اظہار کیا اس سے یقیناً عقیدت مندان وارثِ پاک کے مشامِ جاں معطر ہوئے ہیں اور اس جذبے نے تصنیف اور صاحب تصنیف دونوں کو امر کر دیا ہے۔ اگرچہ پروفیسر صاحب کے قلم سے مختلف موضوعات پہ کئی ایک تصانیف معرضِ وجود میں آئیں، اسکے باوجود اگر میں یہ کہنے کی جسارت کروں تو بالیقیں یہ مبالغہ نہیں ہوگا کہ اگر موصوف ''آفتاب ولایت'' کے علاوہ کچھ بھی تصنیف نہ کرتے تو بس یہی ایک نسخۂ وفا ہی انکی عقیدت ومحبت کی یادگار نہایت کافی تھا، جس کے باعث ان کا نام ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عاشقانِ وارث پاک کی فہرست میں سنہری حروف سے موجود رہتا۔

پروفیسر صاحب کی اس تصنیف نے کئی بے دین، تصوف سے دور اور سرکارِ وارثِ پاک کی ذات سے بالکل ناآشنا لوگوں کو بھی سرکار کا گرویدہ بنا دیا...... اس تذکرے کی ہر ہر سطر سے ذاکر کے مذکور سے بے پناہ عشق ومحبت کے سدابہار گلوں کی روح افزا مہک محسوس ہوتی ہے...... ہر اہل محبت کو اپنے قلب وروح کو معطر کرنے کے لئے، اپنے کاشانہ کو پُربہار بنانے کے لئے اور اپنی لائبریری کو زینت بخشنے کے لئے اس تصنیف لطیف کو لازمی حاصل کرنا چاہئے۔

(الحاج) احمد علی وارثی ...... کولکاتا